مؤسس: سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

دسمبر ۲۰۰۸

ماہنامہ

ترجمان القرآن

مدیر: پروفیسر خورشید احمد

ادارہ ترجمان القرآن

ماہنامہ ترجمان القرآن

جلد ۱۳۵، عدد ۱۲، ذوالحجہ ۱۴۲۹ھ، دسمبر ۲۰۰۸ء

مدیر
پروفیسر خورشید احمد

نائب مدیر
مسلم سجاد

منصورہ، ملتان روڈ، لاہور – ۵۴۷۹۰
فون: ۵۴۳۵۳۵۶-۰۴۲
فیکس: ۵۴۳۴۹۰۷، ۵۴۳۴۱۹۳-۰۴۲
ای میل: tarjuman@wol.net.pk

انتظامی امور
۵-اے، ذیلدار پارک، اچھرہ، لاہور – ۵۴۶۰۰
فون: ۷۵۹۷۹۱۶، ۷۵۷۵۷۶۵-۰۴۲
فیکس: ۷۵۸۵۵۹۰-۰۴۲
موبائل: ۴۱۱۲۰۰۰-۰۳۰۷
ای میل: tarjumanq@wol.net.pk
tarjuman@tarjumanulquran.org
ویب: www.tarjumanulquran.org

قیمت فی شمارہ ۳۰ روپے
زر سالانہ ۳۰۰ روپے
دس سال کے لیے ۱۲۰۰ روپے
معاون خصوصی ۵۰۰۰ روپے
بیرونی ایڈیشن ۴۰ روپے

بنگلہ دیش، بھارت ۱۲۰۰ روپے
ایران، مشرق وسطیٰ، مشرق بعید، یورپ، افریقہ ۱۵۰۰ روپے
امریکا، کینیڈا، آسٹریلیا ۱۹۰۰ روپے

بنام ماہنامہ ترجمان القرآن
A/c # 0010 - 1957 - 3
UBL, Ichhra Br. Code: 0559, Lahore

زیر اہتمام: الابلاغ ٹرسٹ
محکمہ تعلیم سے منظور شدہ بحوالہ SO(A-IV)4-45/99

۶۰ سال پہلے

اختلاف کے باوجود احترام

میں تمام بزرگانِ دین کا احترام کرتا ہوں، مگر پرستش ان میں سے کسی کی نہیں کرتا، اور انبیا کے سوا کسی کو معصوم بھی نہیں سمجھتا۔ میرا طریقہ یہ ہے کہ میں بزرگانِ سلف کے خیالات اور کاموں پر بے لاگ تحقیقی وتنقیدی نگاہ ڈالتا ہوں، جو کچھ ان میں حق پاتا ہوں اسے حق کہتا ہوں اور جس چیز کو کتاب وسنت کے لحاظ سے یا حکمت عملی کے اعتبار سے درست نہیں پاتا اس کو صاف صاف نادرست کہہ دیتا ہوں۔ میرے نزدیک کسی غیرنبی کی راے یا تدبیر میں خطا پائے جانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کی عظمت و بزرگی میں کوئی کمی آئے۔ اس لیے میں سلف کی بعض رایوں سے اختلاف کرنے کے باوجود ان کی بزرگی کا بھی قائل رہتا ہوں اور میرے دل میں ان کا احترام بھی بدستور باقی رہتا ہے۔ لیکن جو لوگ بزرگی اور معصومیت کو ہم معنی سمجھتے ہیں اور جن کے نزدیک اصول یہ ہے کہ جو بزرگ ہے وہ خطا نہیں کرتا اور جو خطا کرتا ہے وہ بزرگ نہیں ہے، وہ یہ سمجھتے ہیں کہ کسی بزرگ کی راے یا طریقے کو نادرست قرار دینا لازمی طور پر یہ معنی رکھتا ہے کہ ایسا خیال ظاہر کرنے والا ان کی بزرگی کا احترام نہیں کرتا اور ان کی خدمات پر قلم پھیرنا چاہتا ہے۔ پھر وہ اس مقام پر بھی نہیں رُکتے بلکہ آگے بڑھ کر اس پر یہ الزام بھی لگاتے ہیں کہ وہ اپنے آپ کو ان سے بڑا سمجھتا ہے۔ حالانکہ علمی معاملات میں ایک شخص کا دوسرے کی راے سے اختلاف کرنا اس بات کو مستلزم نہیں ہے کہ وہ جس سے اختلاف کر رہا ہو اُس کے مقابلے میں اپنے آپ کو بڑا بھی سمجھے اور بہتر بھی۔ امام محمد اور امام ابویوسف نے بہ کثرت معاملات میں امام ابوحنیفہ کی راے سے اختلاف کیا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ اختلاف یہی معنی رکھتا ہے کہ وہ مختلف فیہ معاملات میں اپنی راے کو صحیح اور امام صاحب کی راے کو غلط سمجھتے تھے، لیکن کیا اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ یہ دونوں حضرات امام ابوحنیفہ کے مقام میں اپنے آپ کو افضل سمجھتے تھے؟ (’رسائل ومسائل‘، مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ، ترجمان القرآن، جلد۲۹، عدد۱، رجب ۱۳۶۵ھ، جون ۱۹۴۶ء، ص ۵۷-۵۸)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اشارات

بہار ہو کہ خزاں، لا الٰہ الا اللہ

پروفیسر خورشید احمد

جماعت اسلامی کے کُل پاکستان اجتماعات کا اپنا ایک مزاج اور کردار ہے۔ جماعت کا ہر اجتماع ابتدا ہی سے ملک وملّت دونوں کے لیے ایک مخصوص پیغام دینے اور ہدایاتِ کار فراہم کرنے کی روشن روایت رکھتا ہے لیکن ۲۴ تا ۲۶ اکتوبر ۲۰۰۸ء کو مینارِ پاکستان کے زیرسایہ اقبال پارک لاہور میں منعقد ہونے والے اجتماع کو ایک منفرد حیثیت حاصل ہے۔ پاکستان اور ملّتِ اسلامیہ کی تاریخ کے بڑے نازک اور فیصلہ کن مرحلے پر اس اجتماع نے پاکستان اور عالمی اسلامی تحریکوں کے لیے مستقبل کی جس روشن راہ کی نشان دہی کی ہے وہ ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ پاکستان کے گوشے گوشے سے جمع ہونے والے لاکھوں تحریکی کارکنوں، دنیا بھر کی اسلامی تحریکات کی قیادت، کینیڈا اور امریکا سے لے کر جاپان اور ملایشیا تک سے شریک ہونے والے مندوبین نے کامل یکسوئی کے ساتھ اُمت مسلمہ کو درپیش مسائل و حالات کا جس وقتِ نظر سے تجزیہ کیا اور عمومی مایوسی کے ماحول میں اعتماد اور فراست کے ساتھ مستقبل کے لیے جس طرح ایک روشن شاہ راہ کی نشان دہی کی ہے، اس کے ساتھ ساتھ خوف، بدامنی اور عدم تحفظ کی ملک گیر فضا میں لاکھوں افراد کے اس شہر میں تین روز تک علمی اور دعوتی اجتماع کی شکل میں جس سکون، اطمینان اور عزم و استقلال کا نمونہ پیش کیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔

اس اجتماع کے پس منظر اور اس کی اہمیت کو سمجھنے کے لیے دو امور کا ادراک ضروری ہے:

● **عالمی پس منظر**: ویسے تو اسلام اور مسلمان ایک مدت سے مغرب کی استعماری طاقتوں اور الحاد، لادینیت، اباحت پرستی اور مادر پدر آزادی کے علَم برداروں کی مخالفت، تضحیک اور تنقید کا نشانہ رہے ہیں لیکن اس مخالفت میں ۱۹۷۳ء کی جنگ رمضان اور شاہ فیصل شہید کی تحریک پر عربوں کے تیل کے ہتھیار کے استعمال کے بعد بڑی تیزی اور تلخی آ گئی جو ۱۹۷۹ء کے ایران کے اسلامی انقلاب، ۹۰-۱۹۸۹ء میں افغانستان سے روسی افواج کی واپسی، فلسطین میں حماس کے انتفاضہ، لبنان میں حزب اللہ کی مسلسل کامیابیوں، الجزائر میں اسلامک فرنٹ کی انتخابی کامیابی اور دوسرے مسلم ممالک میں اسلامی تحریکات کے اجتماعی اثر و رسوخ کے بڑھنے سے تیز تر کر دی گئی۔ مسلم دنیا کو بانٹنے اور اس کے سیاسی نقشے کو تبدیل کرنے کے لیے منصوبوں پر تیزی سے عمل شروع ہو گیا۔ عراق سے ایران پر حملہ کرایا گیا۔ پھر پہلی جنگِ خلیج کا خونی ڈراما رچایا گیا اور بالآخر نائن الیون کے ڈرامائی حادثے کے بہانے افغانستان پر فوج کشی، پھر عراق پر حملہ اور پوری دنیا میں 'دہشت گردی' کے خلاف جنگ کے نام پر اسلام اور مسلمانوں کو نشانہ بنایا گیا اور اس دنیا میں جہاں ایک بلین سے زیادہ افراد غربت، بھوک، افلاس، جہالت اور بیماری کی گرفت میں ہیں، کھربوں ڈالر خرچ کر کے بش کے الفاظ میں: 'خدا کے بلاواسطہ احکام کے تحت' پوری دنیا کو ایک صلیبی جنگ (crusade) میں جھونک دیا ہے۔ اس سلسلے کا تازہ شاہ کار وہ نام ہے جو افغانستان کی حالیہ فوجی کارروائی کو دیا گیا ہے یعنی Lion-heart جس کا شجرۂ نسب صلیبی جنگ کے ایک خونی کردار رچرڈ دی لائن ہارٹ سے ملتا ہے۔ اب اسے نادانی کہیے یا ذہنی غلامی، کہ پاکستان نے اپنی حالیہ مذموم فوج کشی کا نام 'شیر دل' رکھا ہے۔

افغانستان میں یہ جنگ ہزاروں افراد کی جانیں لے چکی ہے، لاکھوں زخمی اور بے گھر ہیں اور جنگ کی آگ اب پاکستان کے قبائلی علاقوں سے بڑھ کر آباد علاقوں (settled areas) کو بھی اپنی لپیٹ میں لے رہی ہے۔ ۱۵ ہزار سے زیادہ افراد جاں بحق ہو چکے ہیں، ہزاروں زخمی ہیں اور بے گھر افراد کی تعداد ۸ لاکھ سے متجاوز ہے۔[1] عراق میں تباہی سب سے زیادہ وسیع پیمانے پر ہے۔

۱- ۲۰۰۶ء تک نائن الیون کے بعد رونما ہونے والی جنگی جولانیوں پر امریکا کی معیشت پر ۳ ٹریلین کا بوجھ پڑ چکا ہے۔ پاکستان جیسے غریب ملک نے بھی اب تک اس جنگ میں شرکت کی جو قیمت ادا کی ہے وہ تین کھرب روپے یعنی ۳۴.۵ ارب ڈالر سے متجاوز ہے۔ (بحوالہ روزنامہ ڈان، ۱۵ نومبر ۲۰۰۸ء)

وہاں ہلاک ہونے والوں کی تعداد محتاط اندازوں کے مطابق ۶ لاکھ سے متجاوز ہے اور ملک کا چپہ چپہ معصوموں کے خون سے رنگین ہے اور تباہی کا منظر پیش کر رہا ہے۔ ساری دنیا بے چینی اور عدم تحفظ کی گرفت میں ہے اور اسرائیل اور بھارت کو چھوڑ کر دنیا کے ہر ملک میں امریکا سے بے زاری اور نفرت کی لہریں اُٹھ رہی ہیں اور آبادی کی عظیم اکثریت (۶۰ سے ۹۰ فی صد تک) امریکی پالیسیوں سے اپنے اختلاف کا برملا اظہار کر رہی ہے لیکن اس کے باوجود امریکی قیادت، میڈیا اور اہلِ قلم کی ایک بڑی تعداد اسلام اور مسلمانوں کو ہدف بنائے ہوئے ہیں اور اس سلسلے میں ان کی خاص عنایت اسلامی تحریکات پر ہے جن کا اصل 'جرم' یہ ہے کہ وہ اسلام کو ایک مکمل ضابطۂ حیات سمجھتی ہیں اور اپنی اجتماعی زندگی کی اسلام کی تعلیمات اور قوانین کی روشنی میں تشکیلِ نو کرنا چاہتی ہیں۔ اسے پہلے Radical Islam (انقلابی اسلام) اور Fundamentalism (بنیاد پرستی) کا نام دیا گیا اور اب اسے Islamic Terrorism (اسلامی دہشت گردی) اور Islamo-fascism (اسلامی فاشزم) کا منبع قرار دیا جا رہا ہے۔

اس پس منظر میں ۴۰ مسلم ممالک کے اسلامی قائدین کی جماعت کے اجتماع میں شرکت اور اسلام کے عالمی پیغام اور اُمت کی وحدت کی ضرورت پر مکمل یک جہتی کا اظہار روشنی کے سفر کی ایک تابناک علامت ہے۔

● **ملکی صورت حال**: وطنِ عزیز کے حالات سیاسی، معاشی، ثقافتی، اخلاقی اور اجتماعی ہر اعتبار سے بحرانی کیفیت کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ پرویز مشرف کی ساڑھے آٹھ سالہ آمرانہ حکمرانی، نائن الیون کے بعد قومی زندگی کے ہر شعبے میں امریکی مداخلت میں اضافہ اور 'دہشت گردی' کے خلاف امریکی جنگ میں پاکستان کی شرکت کے نتیجے میں فوج اور قوم میں جو کش مکش اور دُوری رونما ہوئی ہے اور جس طرح فاٹا، سوات، باجوڑ اور دوسرے علاقوں میں خانہ جنگی کے شعلے بھڑک اُٹھے ہیں، اس نے ملک کی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیا ہے اور سارے ہی ادارے مضمحل ہو کر رہ گئے ہیں۔ معاشی ترقی کے بلند بانگ دعووں کا غبارہ جلد ہی پھٹ گیا اور گذشتہ دو سال میں خاص طور پر مہنگائی، توانائی کی قلت، تیل کی قیمت میں ہوش رُبا اضافہ، بے روزگاری، زرعی اور صنعتی کساد بازاری، اشیاے ضرورت کی قلت، تجارت اور ادایگیوں کے توازن میں شدید خسارے اور حکومت

کے مصارف میں بے محابا اضافوں کے نتیجے میں بجٹ کے خسارے نے پوری معیشت کی چولیں ہلا دی ہیں۔ پھر مارچ ۲۰۰۷ء میں مشرف کا عدالتِ عالیہ پر شب خون اور ۳نومبر ۲۰۰۷ء کو پوری عدلیہ کو تہ و بالا کرنے، دستور کو مسخ کرنے اور میڈیا کی آزادی پر کاری ضرب لگانے سے حالات کا بگاڑ اپنی انتہا کو پہنچ گیا۔ اس پر مستزاد امریکا اور برطانیہ کے توسط سے قومی مفاہمت (reconciliation) کے نام پر پیپلز پارٹی اور مشرف کے درمیان نئی سودے بازی جس کے نتیجے میں ۶۰۰ ارب روپے کی بدعنوانی (corruption) کے معاملات کو دفن کر کے اور محترمہ بےنظیر صاحبہ کو میدان سے ہٹا کر ایک نیا سیاسی انتظام کیا گیا ہے جس کا اصل مقصد تو مشرف صاحب کے اقتدار کو مزید مہلت دینا تھا مگر بالآخر وہ زرداری صاحب کے اقتدار پر متمکن ہونے پر منتج ہوا۔

سیاسی تبدیلی کا یہ عمل ایک عظیم تحریکِ مزاحمت سے شروع ہوا تھا جس کی قیادت ملک کی وکلا برادری کر رہی تھی اور جس کی علامت چیف جسٹس افتخار چودھری تھے۔ اس تحریک میں پوری سول سوسائٹی اور اہم سیاسی کارکن اور جماعتیں شریک ہوئیں اور ۱۸ فروری ۲۰۰۸ء کے انتخابات میں عوام نے مشرف اور اس کی پالیسیوں کے خلاف اپنے فیصلے کا اعلان کیا اور کسی ایک پارٹی کو اکثریت نہ دے کر یہ پیغام بھی صاف لفظوں میں دے دیا کہ سب سیاسی قوتوں کو، خصوصیت سے پی پی پی اور نواز مسلم لیگ کو مل کر، قومی مفاہمت کے ذریعے پرویزی دور کی زیادتیوں اور انحرافات (deviations) کی اصلاح کر کے دستور کی اس شکل میں جو ۱۹۹۹ء میں تھی بحالی، عدلیہ کی حقیقی آزادی اور غیرقانونی طور پر معزول کیے جانے والے ججوں کی باعزت بحالی، نیز قومی آزادی، خودمختاری اور عزت کی قیمت پر امریکا کی 'دہشت گردی' کے خلاف جنگ میں پاکستان کی شرکت کی پالیسی کی تبدیلی اور خارجہ پالیسی کی اس قلبِ ماہیت کی تصحیح کا مینڈیٹ دیا جو امریکا، بھارت اور اسرائیل کے دیے ہوئے ایجنڈے کے تحت پرویز مشرف نے آمرانہ اختیارات کا استعمال کرتے ہوئے کی تھی۔ معاشی پالیسی کے دروبست کی تبدیلی بھی عوام کے مینڈیٹ کا حصہ تھی کہ پرویزی دور کی پالیسیوں کے نتیجے میں امیر امیر تر اور غریب غریب تر ہو رہے تھے اور ملک کو نمایشی ترقی کے سراب کے نشے سے مسحور کیا جا رہا تھا، جب کہ فی الحقیقت زرعی اور صنعتی شعبوں میں حقیقی پیداواری ترقی مفقود تھی اور ملک بجٹ، تجارت اور توازن ادایگی کے خساروں سے دوچار، اور ملکی اور بیرونی

قرضوں کے بوجھ تلے دبا جا رہا تھا۔

قوم کو نئی مخلوط حکومت سے جو توقعات تھیں وہ پوری نہیں ہوئیں۔ زرداری صاحب نے ایک طرف ساری توجہ اپنے ذاتی اقتدار کو مستحکم کرنے پر دی تو دوسری طرف ایک ایک کر کے ان تمام وعدوں کی خلاف ورزی کی راہ اختیار کی جو میثاقِ جمہوریت، جولائی ۲۰۰۷ء کے اعلانِ لندن، اور فروری مارچ ۲۰۰۸ء کے اعلانِ بھوربن اور اعلانِ دوبئی میں کیے گئے تھے۔ اس کا پہلا نتیجہ مسلم لیگ نواز کی حکومت سے علیحدگی اور اس کے بعد زندگی کے ہر شعبے میں عملاً پرویز مشرف کی پالیسیوں کا تسلسل اور بالآخر معیشت کے میدان میں آئی ایم ایف کے جال میں دوبارہ گرفتاری، بھارت کے مقابلے میں مسلسل پسپائی، کشمیر کے مسئلے پر پریشان کن ژولیدہ بیانی، اور امریکا کے پنجے میں اس حد تک گرفتاری کہ ۳ستمبر کو امریکی افواج نے پاکستان کی سرزمین پر زمینی حملہ بھی کر دیا اور مارچ ۲۰۰۸ء میں موجودہ حکومت کے قیام کے بعد سے ۴۰ سے زیادہ فضائی حملے پاکستان کی سرزمین پر ہو چکے ہیں جن میں ۴۰۰ سے زائد افراد جاں بحق ہو گئے ہیں۔

اس سب کچھ پر مستزاد امریکا اور یورپ کی مجالس دانش (think tanks) کی وہ فکری اور نفسیاتی جنگ ہے جو روز افزوں ہے۔ ان تمام جائزوں اور رپورٹوں کا مرکزی نکتہ یہ ہے کہ پاکستان ایک ناکام ہوتی ہوئی (failing) ریاست ہے، 'دہشت گردی' کا اصل مرکز پاکستان کے علاقوں میں ہے، پاکستان کے لیے اپنے جغرافیائی وجود کو باقی رکھنا ممکن نہیں رہا ہے اور پاکستان خدانخواستہ اگلے ۱۰، ۱۵ سال میں صفحۂ ہستی سے معدوم ہو جائے گا یا اس کے ایسے حصے بخرے ہو جائیں گے کہ وہ سیاسی بساط پر ایک اہم کردار ادا کرنے کے لائق نہیں رہے گا۔ یوں نہ صرف پاکستان کی معیشت کو استعماری شکنجوں میں کسا جا رہا ہے بلکہ ملک کے مستقبل ہی کو مخدوش اور مشکوک بنا کر پیش کیا جا رہا ہے۔

موجودہ حکومت کے ۹ مہینوں پر پھیلے ہوئے دورِ اقتدار میں دہشت گردی کے واقعات میں اضافے اور امن و امان کی زبوں حالی کے ساتھ معاشی افراتفری، معاشرتی اضمحلال، سیاسی انتشار اور داخلی عدم استحکام میں پریشان کن حد تک اضافہ ہوا ہے اس کے ساتھ نظریاتی خلفشار اور ثقافتی اور تہذیبی بگاڑ بھی بلوہ عموم کی سی کیفیت اختیار کر رہے ہیں۔ فکری اور اخلاقی ہر دو اعتبار سے حالات

مخدوش تر ہوتے جارہے ہیں اور نوجوانوں میں بے راہ روی اور قوم میں ہر سطح پر ڈسپلن کی کمی ایک وبا کی صورت اختیار کر رہے ہیں۔

ان حالات میں قوم کو جھنجھوڑنے اور وقت کے چیلنجوں کا مقابلہ کرنے کے لیے اسے بیدار، متحرک اور منظّم کرنے کی ضرورت تھی۔ اس پس منظر میں جماعت اسلامی نے مینارِ پاکستان پر یہ ولولہ انگیز اعلان کے ساتھ کیا ؎

صنم کدہ ہے جہاں ، لا الٰہ الا اللّٰہ

اور: ع

مجھے ہے حکمِ اذاں ، لا الٰہ الا اللّٰہ

اجتماع کے کامیاب انعقاد کے اس پہلو کو سب نے محسوس کیا اور سراہا کہ مایوسی کی فضا میں جماعت کا لاکھوں افراد پر مشتمل یہ اجتماع روشنی کی ایک تازہ کرن ہے۔ اس طرح اس پہلو پر بھی ہر حلقے نے اطمینان اور خوشی کا اظہار کیا ہے کہ ملک پر خوف اور عدمِ تحفظ کے جو بادل چھائے ہوئے تھے اور جن کی وجہ سے سرکاری حکام ہی نہیں بہت سے دانش ور بھی احتیاط کا مشورہ دے رہے تھے اور لاہور کے قلب میں اتنے بڑے اجتماع کے بارے میں طرح طرح کے خدشات کا اظہار کر رہے تھے، الحمدللہ وہ سب پادرِ ہوا ثابت ہوئے اور جماعت کے شان دار روایتی نظم و نسق کے ساتھ یہ سہ روزہ اجتماع بڑی خوش اسلوبی سے انجام پذیر ہوا اور قوم میں اُمید اور اعتماد کی ایک نئی لہر دوڑ گئی۔

یہ دونوں پہلو اپنی جگہ اہم ہیں اور ہم ان پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں لیکن ہماری نگاہ میں اس اجتماع کی اصل اہمیّت ان سے کہیں زیادہ ہے۔ اس کا تعلّق اس پیغام سے ہے جو اس اجتماع نے پوری قوم کو دیا ہے اور مستقبل کے لیے ملک اور عالمی سطح پر نظریاتی، سیاسی اور تہذیبی جدوجہد کے جو خدوخال اس میں پیش کیے گئے ہیں، وہ وقت کی ضرورت اور مستقبل کی تعمیر کے لیے راہِ عمل کا درجہ رکھتے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ ان پہلوؤں پر سب کو غوروفکر کی دعوت دیں۔

نصب العین کی تذکیر

جماعت اسلامی کے اس اجتماع کا اولین مقصد تذکیر تھا تاکہ جماعت کے کارکنوں اور

معاونین کے سامنے خاص طور پر، اور پوری قوم اور اُمت مسلمہ کے سامنے بالعموم، ایک بار پھر وہ مقصد آسکے جس کے لیے تحریکِ اسلامی پاکستان میں، اور دیگر اسلامی تحریکیں دنیا کے گوشے گوشے میں اپنے اپنے حالات کے مطابق اپنے انداز میں جدوجہد کر رہی ہیں۔

تحریکِ اسلامی کی نگاہ میں زندگی کے تمام مسائل کا حل اللہ کی ہدایت کو قبول کرنے، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل وفاداری کے ساتھ اطاعت، اور آخرت کی زندگی میں کامیابی کے حصول کے لیے دنیا میں قرآن وسنت کے مطابق عدل وانصاف کا نظام قائم کرنے میں ہے۔ سارے مسائل کے حل کی کلید اخلاق کی اصلاح اور پوری زندگی کو خیر وشر اور حلال اور حرام کے اس ضابطے کے مطابق گزارنے میں ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے پوری انسانیت کو دیا ہے اور اُمتِ مسلمہ جس کی امین ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سردارانِ عرب کو مخاطب کر کے فرمایا تھا: ایک کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کو اختیار کرلو تو عرب وعجم پر تمھارا جھنڈا لہرائے گا۔ یہی وہ پیغام ہے جسے اقبال نے اپنی اس خوب صورت غزل میں پیش کیا ہے جو ۲۰۰۸ء کے اجتماع کی علامت تھی:

یہ دور اپنے براہیم کی تلاش میں ہے
صنم کدہ ہے جہاں، لا الٰہ الا اللہ
یہ نغمہ فصلِ گُل و لالہ کا نہیں پابند
بہار ہو کہ خزاں، لا الٰہ الا اللہ
اگرچہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں
مجھے ہے حکمِ اذاں، لا الٰہ الا اللہ

جماعت اسلامی کا دستور اس تحریک کے عقیدے کا ان الفاظ میں اظہار کرتا ہے:

> جماعت اسلامی پاکستان کا بنیادی عقیدہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہوگا، یعنی یہ کہ صرف اللہ ہی ایک الٰہ ہے اور اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ (دفعہ ۳)

اس عقیدے کو دل کی گہرائیوں اور عقل کی سپردگیوں کے ساتھ قبول کرنے کے معنی یہ ہیں:

- انسان اللہ کے سوا کسی کو ولی و کارساز، حاجت روا اور مشکل کشا، فریادرس اور حامی و ناصر نہ سمجھے۔
- اللہ کے سوا کسی کو نفع و نقصان پہنچانے والا نہ سمجھے۔
- اللہ کے سوا کسی کے آگے سر نہ جھکائے۔
- اللہ کے سوا کسی کو بادشاہ، مالک الملک، مقتدرِ اعلیٰ تسلیم نہ کرے اور صرف اللہ کے حکم کی اطاعت اور اس کے دیے ہوئے قانون کی پابندی کرے۔
- اپنے آپ کو اللہ کے سامنے ذمہ دار اور جواب دہ سمجھے اور اپنی قوتوں کے استعمال اور اپنے برتاؤ میں ہمیشہ اس حقیقت کو ملحوظ رکھے کہ اسے قیامت کے روز اللہ کو ان سب چیزوں کا حساب دینا ہے۔
- اپنی پسند کا معیار اللہ کی پسند کو، اپنی ناپسندیدگی کا معیار اللہ کی ناپسندیدگی کو بنائے۔
- اللہ کی رضا اور اس کے قرب کو تمام سعی و جہد کا مقصود اور اپنی پوری زندگی کا محور بنائے۔
- اپنے لیے اخلاق میں، برتاؤ میں، معاشرت، تمدن اور سیاست میں، غرض زندگی کے ہر معاملے میں صرف اللہ کی ہدایت کو ہدایت تسلیم کرے اور ہر اس طریقے اور ضابطے کو رد کردے جو اللہ کی شریعت کے خلاف ہو۔
- قرآن و سنت ہی مسلمان کے لیے صحیح ضابطۂ حیات ہیں اور مسلمان وہ ہے جو ہر اس تعلیم اور ہدایت کو بے چون و چرا قبول کرے جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو۔

اس کلمے کے ماننے والے ایک امت ہیں اور اللہ تعالیٰ نے انسان کو استخلاف کی جو ذمہ داری اور سعادت سونپی ہے وہ اس کے امین ہیں۔ استخلاف کا تقاضا زمین پر اپنے مالک کی مرضی کو پورا کرنا اور زندگی کے پورے نظام کو رب السمٰوٰت والارض کی ہدایت کے مطابق مرتب و منظم کرنا ہے۔ یہی وہ چیز ہے جسے تحریکِ اسلامی اپنا نصب العین قرار دیتی ہے، جو دراصل اُمت مسلمہ اور پوری انسانیت کا حقیقی نصب العین ہے یعنی اقامتِ دین۔

جماعت کا دستور کہتا ہے کہ:

جماعت اسلامی پاکستان کا نصب العین اور اس کی تمام سعی و جہد کا مقصد عملاً اقامتِ دین (حکومتِ الٰہیہ یا اسلامی نظامِ زندگی کا قیام) اور حقیقتاً رضاے الٰہی اور فلاحِ اخروی کا حصول ہوگا۔ (دفعہ ۴)

جو چیز جماعت اسلامی کی منفرد حیثیت کو نمایاں کرتی ہے وہ اس کا یہی نظریاتی، اخلاقی، تہذیبی اور انقلابی کردار ہے۔ یہ جماعت کسی وقتی ضرورت اور محدود سیاسی ہدف کے حصول کے لیے قائم نہیں ہوئی بلکہ انسان کی پوری زندگی کو اسلام کے انقلابی پیغامِ ہدایت کے مطابق ڈھالنے اور انفرادی اور اجتماعی زندگی کے پورے نظام کو اللہ کی شریعت کی روشنی میں مرتب و منظم کرنے کے لیے قائم ہوئی ہے۔

جماعت کے دستور میں اس نصب العین کی تشریح یوں کی گئی ہے:

اقامت دین سے مقصود دین کے کسی خاص حصے کی اقامت نہیں ہے بلکہ پورے دین کی اقامت ہے، خواہ اس کا تعلق انفرادی زندگی سے ہو یا اجتماعی زندگی سے، نماز، روزہ اور حج و زکوٰۃ سے ہو یا معیشت و معاشرت اور تمدن و سیاست سے۔ اسلام کا کوئی حصہ بھی غیرضروری نہیں ہے۔ پورے کا پورا اسلام ضروری ہے۔ ایک مومن کا کام یہ ہے کہ اس پورے اسلام کو کسی تجزیہ و تقسیم کے بغیر قائم کرنے کی جدوجہد کرے۔ اس کے جس حصے کا تعلق افراد کی اپنی ذات سے ہے، ہر مومن کو اسے بطور خود اپنی زندگی میں قائم کرنا چاہیے اور جس حصے کا قیام اجتماعی جدوجہد کے بغیر نہیں ہوسکتا، اہلِ ایمان کو مل کر اس کے لیے جماعتی نظم اور سعی کا اہتمام کرنا چاہیے۔

اگرچہ مومن کا اصل مقصدِ زندگی رضاے الٰہی کا حصول اور آخرت کی فلاح ہے، مگر اس مقصد کا حصول اس کے بغیر ممکن نہیں ہے کہ دنیا میں خدا کے دین کو قائم کرنے کی کوشش کی جائے۔ اس لیے مومن کا عملی نصب العین اقامتِ دین اور حقیقی نصب العین وہ رضاے الٰہی ہے جو اقامتِ دین کی سعی کے نتیجے میں حاصل ہوگی۔ (ص ۱۴-۱۵)

جماعت اسلامی سیاسی نظام کی اصلاح اور اسلامی بنیادوں پر انقلابِ قیادت کی داعی ہے اور اس پہلو سے وہ ایک سیاسی جماعت ہے جو زمامِ کار ایسے لوگوں کے ہاتھ میں سونپنا چاہتی ہے جو

اللہ کے وفادار اور شریعتِ اسلامی کے نفاذ کے داعی ہوں اور جن کا اپنا کردار سیاسی تبدیلی کے اس پروگرام سے مطابقت رکھتا ہو۔ اس معنی میں وہ ایک سیاسی جماعت ہے لیکن جماعت اسلامی محض ایک سیاسی جماعت ہی نہیں بلکہ ایک ہمہ گیر نظریاتی تحریک بھی ہے جو سیاست سمیت زندگی کے تمام نظام کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق منظم اور مرتب کرنا چاہتی ہے۔ اس کے پروگرام کے چار عناصرِ ترکیبی ہیں جو مساوی طور پر اہم ہیں اور ایک دوسرے سے مربوط اور ناقابلِ تقسیم ہیں۔

● **فکر کا تزکیہ**: ایمان کا احیا اور فکری اور نظری اعتبار سے اسلام کی صحیح اور مکمل تفہیم تاکہ عقیدہ، فکر، تصورِ کائنات اور دین کی روشنی میں ضابطۂ حیات کا صحیح شعور دل و دماغ کے اطمینان کے ساتھ زندگی کا رہنما بن سکے۔ اس کے لیے قرآن وسنت سے ربط و تعلق اور ان کی تعلیمات کے مکمل ادراک کے ساتھ اپنے زمانے کے ان تصورات اور نظریات کا علم اور نقد و احتساب بھی شامل ہے جو اسلام کے تصورِ دین و تہذیب سے متصادم ہوں اور اپنے دور کے حالات کی روشنی میں فکرِ اسلامی کی تشکیلِ جدید اور حقیقی اصل مآخذ سے مکمل وفاداری اور اُمت مسلمہ کی معروف روایات کے احترام کے ساتھ مسلّمہ اصولِ فقہ کی روشنی میں اجتہاد کے ذریعے کی جائے۔

● **منظم جدوجہد**: اسلام کی تعلیمات کی روشنی میں فرد اور معاشرے کی اخلاقی تربیت اور تزکیہ، تاکہ اسلام کا انسان مطلوب وجود میں آسکے، اور فرد اور معاشرہ اخلاقی محرکات کی قوت سے نئی زندگی کی تعمیر کا کام انجام دے سکے۔ کردار سازی اور اخلاقی تعمیر کے ساتھ ایسے تمام مردوں اور عورتوں کو منظم اصلاحی جدوجہد سے منسلک کرنا بھی اس پروگرام کا ایک مرکزی نکتہ ہے تاکہ زندگی کی تشکیلِ نو کا کام انفرادی مساعی کے ساتھ اجتماعی اور منظم جدوجہد کے ذریعے انجام پاسکے۔

● **اصلاحِ معاشرہ**: تیسرا نکتہ اصلاحِ معاشرہ ہے جس کے تحت تعلیم، تبلیغ، اصلاحِ رسوم، مسجد اور مدرسے کا فروغ، خاندانی نظام کا استحکام اور مسلم معاشرے کی اجتماعی زندگی اور اداروں کو اسلامی اقدار، اصولوں اور احکام کے مطابق مرتب کرنا ہے۔ نیز پورا معاشرہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کے احترام و انصرام کے ساتھ امداد باہمی کی بنیاد پر خدمت، اجتماعی تکافل اور معاشرتی انصاف کا نمونہ بنے۔

● **انقلاب قیادت** : احیاے ایمان اور فکری تشکیلِ نو، تزکیۂ نفس اور فرد اور معاشرے کی اخلاقی تعمیر، معاشرے کی اصلاح اور سماجی اور تمدنی اداروں کی اسلامی اقدار کی بنیادوں پر تعمیر و تشکیل کے ساتھ اقامت دین کی منزل اس وقت تک حاصل نہیں ہوسکتی جب تک سیاست کی اصلاح انجام نہ پائے اور ملک کا نظامِ حکومت و عدالت، ملکی قانون اور اقتدار کے تمام مراکز کو بھی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی ہدایت کا پابند اور ان مقاصد کے حصول کا ذریعہ نہ بنایا جائے۔ جماعت یہ تبدیلی اذہان اور اخلاق کی اصلاح کے ساتھ ساتھ عوامی راے عامہ کی تسخیر کر کے انقلابِ قیادت کے ذریعے لانا چاہتی ہے۔ جماعت اسلامی ووٹ کی قوت سے سیاسی تبدیلی لانے کی داعی ہے اور سیاست میں غیر آئینی اور غیر اخلاقی ذرائع کے استعمال کی مخالف ہے۔ اس طریق کار کو دستور جماعت بہت صاف الفاظ میں اس طرح بیان کرتا ہے:

دفعہ ۵: جماعت کا مستقل طریقِ کار یہ ہوگا کہ:

۱- وہ کسی امر کا فیصلہ کرنے یا کوئی قدم اٹھانے سے پہلے یہ دیکھے گی کہ خدا اور رسولؐ کی ہدایت کیا ہے۔ دوسری ساری باتوں کو ثانوی حیثیت سے صرف اُس حد تک پیشِ نظر رکھے گی جہاں تک اسلام میں اس کی گنجایش ہوگی۔

۲- اپنے مقصد اور نصب العین کے حصول کے لیے جماعت کبھی ایسے ذرائع اور طریقوں کو استعمال نہیں کرے گی جو صداقت اور دیانت کے خلاف ہوں یا جن سے فساد فی الارض رونما ہو۔

۳- جماعت اپنے پیشِ نظر اصلاح اور انقلاب کے لیے جمہوری اور آئینی طریقوں سے کام کرے گی یعنی یہ کہ تبلیغ و تلقین اور اشاعتِ افکار کے ذریعے سے ذہنوں اور سیرتوں کی اصلاح کی جائے اور راے عامہ کو اُن تغیّرات کے لیے ہموار کیا جائے جو جماعت کے پیشِ نظر ہیں۔

۴- جماعت اپنے نصب العین کے حصول کی جدوجہد خفیہ تحریکوں کے طرز پر نہیں کرے گی بلکہ کھلم کھلا اور علانیہ کرے گی۔

جماعت اسلامی کی انفرادیت اس کے مندرجہ بالا نظریاتی، اخلاقی، تہذیبی اور انقلابی

خصوصیات کی رہینِ منت ہے۔ بلاشبہہ اس کی تنظیمی سرگرمیوں کا محور پاکستان ہے لیکن اس کی نظریاتی دعوت پوری انسانیت کے لیے ہے اور وہ ان عالمی اصلاحی تحریکوں کا حصہ ہے جو اپنے اپنے دستور، اپنی اپنی تنظیم اور اپنی اپنی قیادت کے تحت چل رہی ہیں اور عالمی سطح پر ایک نظریاتی اور تہذیبی رَو کا حصہ اور رنگ رنگ کے پھولوں کا ایک حسین گلدستہ ہیں۔

اکتوبر ۲۰۰۸ء کا اجتماع جماعت کے کارکنوں کی تذکیر ہی کا نہیں بلکہ پوری قوم اور عالمی برادری کے سامنے اپنے اس ہمہ گیر اور منفرد کردار کو اُجاگر کرنے کا ذریعہ بنا ہے۔

● **منزل بہ منزل** : جماعت اسلامی نے اپنے اس انقلابی سفر کا آغاز اگست ۱۹۴۱ء میں کیا تھا جب دینِ حق کے ۷۵ متوالوں نے لاہور میں جمع ہوکر اپنے آقا سے ایک نیا عہد کیا تھا کہ وہ دین کی مکمل اقامت کے لیے اپنی زندگیاں وقف کریں گے اور منظم انداز میں ایک عالمی انقلاب کی طرف پہلا قدم اٹھائیں گے۔ جماعت کے قیام سے بھی ۹ سال پہلے اللہ کے ایک مخلص بندے نے ترجمان القرآن کے ذریعے قرآن کے پیغامِ انقلاب کو مسلمانوں تک خاص طور پر اور تمام انسانوں تک بالعموم پہنچانے کے لیے اپنی جدوجہد کا آغاز کیا تھا اور ۹ سال کی شب و روز کی کوشش سے فکرِ اسلامی کی تشریح و توضیح اور دعوتِ اسلامی کو اس کی اس شکل میں جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دور کے حالات کے پیشِ نظر دی، دلیل اور دیانت سے پیش کی۔ یہی وہ دعوت تھی جس نے برعظیم کے باشعور نفوس کی قلبِ ماہیت کی اور بالآخر اس انقلابی آواز پر لبیک کہنے والوں نے جماعت اسلامی قائم کی۔ برعظیم کی تقسیم کے بعد تحریک کا نیا مرکز پاکستان بنا، جب کہ بھارت، سری لنکا، مقبوضہ کشمیر اور ۱۹۷۱ء کے سانحہ کے بعد بنگلہ دیش میں جماعت اسلامی اسی مقصد کے لیے مگر اپنے اپنے حالات کے مطابق اپنے اپنے دستور اور نظم جماعت اور قیادت کے تحت کام کر رہی ہے۔

اللہ کے فضل و کرم سے پاکستان میں جماعت اسلامی ایک اہم نظریاتی، سیاسی، تعلیمی اور سماجی قوت ہے۔ اجتماع اکتوبر میں پیش کردہ رپورٹ کے مطابق اس وقت جماعت کے تقریباً ۲۳ ہزار ارکان اور رکنیت کے ۱۷ ہزار امیدوار ہیں (خواتین ارکان کی تعداد ۲۳۹۹ اور رکنیت کی امیدوار خواتین ۱۴۳۷ ہیں)۔ ملک بھر میں جماعت کے کارکنوں کی تعداد ڈیڑھ لاکھ اور اس کے عام ممبروں کی تعداد ۵۰ لاکھ سے متجاوز ہے۔ تنظیمی اعتبار سے مرکز، صوبوں اور اضلاع کی سطح پر

جماعت کی کارروائیاں جاری و ساری ہیں اور ۴ ہزار سے زائد یونین کونسلوں میں تنظیم قائم ہے۔ ملک میں درسِ قرآن کے ۸ ہزار حلقے اور تعلیم القرآن کے ۳۳۱۷ مراکز کام کر رہے ہیں۔ فہم دین کے پروگرام کے تحت تقریباً ۹۰۰ پروگرام ایک سال میں منعقد ہو رہے ہیں جو دس روزہ اور سہ روزہ قرآن فہمی کے اجتماعات سے عبارت ہیں اور ایک ایک پروگرام میں کئی کئی ہزار افراد باقاعدگی سے شرکت کر کے قرآن کے پیغام کو سمجھنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ خواتین کے حلقے میں فہم قرآن کے ۱۳۶ ادارے قائم ہیں اور درسِ قرآن کا سلسلہ ۴۲۱۱ حلقوں میں انجام دیا جا رہا ہے۔ دعوتی کیمپ سالِ گذشتہ میں ۲۸۳۰ لگائے گئے اور کُل دعوتی وفود کی تعداد ۶۰ ہزار کے قریب رہی۔ جماعت کے نظم کے تحت اس وقت ملک میں چھوٹی بڑی ۷۵۵۸ لائبریریاں کام کر رہی ہیں۔

جماعت کی برادر تنظیموں کا کام اس کے علاوہ ہے جو زندگی کے مختلف میدانوں میں اپنے اپنے دائرۂ کار میں سرگرمِ عمل ہیں اور الحمدللہ زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جہاں جماعت اور اس کے کارکن متحرک نہ ہوں۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ۔

ہم نے یہ مختصر جائزہ تحدیثِ نعمت کے احساسات کے ساتھ پیش کیا ہے اور مقصد اس امر کا اظہار بھی ہے کہ دعوت، تربیت، اصلاحِ معاشرہ، خدمتِ عوام، تعلیم اور سیاسی تبدیلی کا وہ پروگرام جس پر جماعت اسلامی کام کر رہی ہے ایک ہمہ جہتی پروگرام ہے۔ اس کے کام کا تعلق محض سیاسی موسم سے نہیں، یہ جماعت ایک تحریک کا مرکز و محور ہے اور اس کی دعوتی اور اصلاحی سرگرمیاں سال کے بارہ مہینے اور ہر مہینے کے تیس دن جاری ہیں ؎

بہار ہو کہ خزاں ، لا الٰہ الا اللہ

درپیش چیلنج اور تحریک اسلامی

اجتماع کا ایک اور مقصد جماعت کے پیغام کو جماعت کے اپنے کارکنوں کے سامنے، ان میں مکمل یکسوئی پیدا کرنے کے لیے، پوری قوم کے سامنے، ملک کو درپیش ایشوز پر اپنے موقف کو بیان کرنے کے لیے، اور پوری دنیا خصوصیت سے عالمی قوتوں کے سامنے، انھیں یہ موقع فراہم کرنے کے لیے تھا کہ وہ تحریکِ اسلامی کو اس کے اپنے الفاظ اور بیان کے مطابق سمجھنے کی کوشش

کریں اور اُسے ویسے تعصب اور عناد کی عینک سے نہ دیکھیں، جس طرح میڈیا کے بعض عناصر حقیقت کو مسخ کر کے پیش کر رہے ہیں۔

عالمی سطح پر اس اجتماع کے ذریعے جماعت اسلامی نے امریکا اور مغربی دنیا کو یہ پیغام دیا ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کو ان خانوں میں رکھ کر نہ دیکھیں جو ان کے تنگ نظر سیاسی اور فکری قائدین نے وضع کیے ہیں۔ اسلام ایک عالم گیر پیغام کا علَم بردار ہے لیکن یہ پیغام کوئی نیا پیغام نہیں بلکہ وہی پیغام ہے جو خالقِ کائنات نے اپنے تمام انبیا کے ذریعے انسان کی ہدایت کے لیے بھیجا اور جس کی آخری اور مکمل شکل وہ ہے جو نبی آخرالزماں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کی شکل میں نازل ہوئی اور جس کی عملی تعبیر و تشکیل پیغمبرؐ اسلام کی سنت اور زندہ روایت میں دیکھی جاسکتی ہے۔ یہ پیغام اللہ کی بندگی کا، اللہ کے تمام بندوں کی اخلاقی ترقی اور تزکیے کا، تمام انسانوں کے درمیان انصاف کے قیام اور حقوق العباد کی ادایگی کے ذریعے ہر سطح پر انسانی زندگی کو امن اور عدل اور بھائی چارے کا گہوارہ بنانے کا ہے۔ یہ جنگ، خون ریزی اور دہشت گردی کا پیغام نہیں۔ بلکہ یہ تو انسان کی پوری زندگی کو اخلاقی اصولوں اور اقدار کی روشنی سے منور کرنا چاہتا ہے اور زندگی کو خانوں میں تقسیم نہیں کرتا۔ یہ پیغام ابدی ہے مگر اس میں بدلتے ہوئے زمانے کے تقاضوں کا لحاظ رکھنے کی پوری پوری گنجایش موجود ہے۔ اس پیغام کو اس کی اصل شکل میں پرکھنے کا سب کو پورا پورا حق ہے لیکن یہ رویہ مبنی برحق و انصاف نہیں کہ اس دین کی تعلیمات کو مسخ کیا جائے اور سیاق و سباق سے علیحدہ (out of content) چیزوں کو لے کر اسلام کو تنقید و تنقیص کا ہدف بنایا جائے یا کچھ خاص افراد کے سیاسی اقدامات کو ان کے سیاسی پس منظر سے کاٹ کر اسلام کے سر تھوپ دیا جائے اور دنیا کو ایک نظریاتی تصادم اور جنگ و جدال میں جھونک دیا جائے۔ اُمت مسلمہ امن و انصاف کے ساتھ زندگی گزارنا چاہتی ہے اور دوسروں کے ساتھ بھی عزت اور انصاف سے معاملہ کرنے کی خواہش مند ہے لیکن اگر اس پر محض قوت کے بل پر کچھ نظریات مسلط کرنے کی کوشش کی جائے گی اور محض طاقت کے ذریعے اُمت کے وسائل پر قبضہ کرنے اور اس کی ریاستوں کو اپنا تابع مہمل بنانے کی سعی کی جائے گی تو یہ تصادم کا راستہ ہے اور اسے کسی صورت برداشت نہیں کیا جاسکتا۔

آج اُمت مسلمہ امریکی، صہیونی، یورپی اور بھارتی استعمار کا نشانہ ہے۔ اگر ظلم اور

سامراجی تسلط کے خلاف اُمت کے کچھ حصے یا عناصر صف آرا ہیں تو ان مسائل کا بے لاگ انصاف کے ساتھ حقیقت پسندانہ جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔ سیاسی مسائل کا حل قوت کے استعمال سے نہیں بلکہ حق و انصاف کے مسلّمہ اصولوں کی روشنی میں تلاش کرنا چاہیے۔ اگر یہ راستہ اختیار کیا جائے تو سارے مسائل حل ہوسکتے ہیں۔ خرابی کی جڑ استعماری ذہنیت اور قوت کے ذریعے مبنی برحق تحریکوں اور مزاحمتوں کو ختم کرنے کی ظالمانہ پالیسیاں ہیں۔ نیز طاقت ور ممالک کا یہ ادّعا ہے کہ ان کو دوسروں کے وسائل پر قبضے کا حق ہے اور محض اپنی خواہشات بلکہ ہوس (greed) کو پورا کرنے کے لیے دوسروں کے منہ سے ان کا نوالہ چھین لینا بھی ان کا حق ہے۔ اگر طاقت ور اپنے مفاد کی خاطر دوسروں پر ایسی دست درازیاں کریں گے تو دوسرے بھی کمزور ہونے کے باوجود مزاحمت اور اپنے مفادات کے تحفظ کا راستہ نکالنے پر مجبور ہوں گے۔

'دہشت گردی' کے خلاف امریکا کی برپا کردہ یہ جنگ ہر میدان میں ناکام رہی ہے۔ عراق ہو یا افغانستان، پاکستان ہو یا کوئی اور علاقہ ___ نہ صرف یہ کہ یہ جنگ ناکام رہی ہے بلکہ اس کے نتیجے میں امریکا کے خلاف نفرت کے جذبات کا طوفان اُمنڈ آیا ہے اور آج امریکا دنیا میں جتنا بدنام ہے اور اسے جتنی بڑی تعداد میں رائے عامہ کی ہر سطح کے لوگ امن و انصاف کے لیے خطرہ قرار دے رہے ہیں، تاریخ کے کسی دور میں نہیں ہوا۔

اس اجتماع میں عالم اسلام پر امریکا کی دست درازیوں کی مذمت کے ساتھ یہ واضح کیا گیا ہے کہ امریکا محض قوت سے اپنے نظریات اور تصورات دوسروں پر مسلط کرنے کی کوشش کر رہا ہے، دوسروں کے وسائل پر قبضہ کر رہا ہے، ان کے استحصال (exploitation) کا مرتکب ہو رہا ہے اور مسلم ممالک میں جبر و قوت کے ذریعے قابض اپنے مفید مطلب حکمرانوں کی سرپرستی کر رہا ہے اور اب اس سے بڑھ کر مسلم دنیا میں انتہاپسندی اور میانہ روی کے نام پر اپنے ایجنٹوں کو آگے بڑھا کر ان کے ذریعے اپنے مطلب کے 'اسلام' کو فروغ دینے کی مذموم کوشش کر رہا ہے۔ یہ راستہ تصادم اور بگاڑ کا راستہ ہے ___ مسلم دنیا امریکا اور مغربی ممالک سے اور مغربی تہذیب کے علَم برداروں سے مذاکرات اور افہام و تفہیم کے لیے ہرلمحہ تیار ہے لیکن مسلمان اپنے دین میں مداخلت، اپنی تہذیب کی پامالی، اپنی معیشت و سیاست پر غیروں کے تسلط اور اپنے درمیان دوسروں کے ایجنٹوں

کے اقتدار کو برداشت نہیں کر سکتے۔ ہم حقیقی کثیریت (pluralism) کے قائل ہیں لیکن کسی ایک ملک کا غلبہ اور بالادستی ہرگز قبول نہیں کی جاسکتی۔

اجتماع میں برطانوی صحافی خاتون اے وان رڈلی کی تقریر مدتوں یاد رکھی جائے گی۔ اس میں مغرب کے لیے بھی پیغام ہے اور مسلمانوں کے لیے بھی۔ نوحہ صرف ایک ڈاکٹر عافیہ صدیقی کا نہیں ـــــ تمام مظلوم انسانوں کا اور ظلم کے نظام کے خلاف نفرت اور بغاوت کا ہے۔

اجتماع کے مقررین اور خصوصیت سے بین الاقوامی اجلاس نے یہ پیغام بڑے بھرپور مگر باوقار انداز میں دیا ہے اور اسی جذبے سے دیا ہے کہ ع

مجھے ہے حکمِ اذاں ، لا الٰہ الا اللہ

قومی بحران

اجتماع میں پاکستان نے موجودہ حالات کا بھی دقتِ نظر سے تجزیہ کیا گیا اور جماعت اسلامی کے موقف کو مسکت دلائل کے ساتھ پیش کیا گیا۔

● **بگاڑ کا بنیادی سبب**: مسائل کی تشخیص میں سب سے نمایاں پہلو یہ تھا کہ کسی ایک جزوی مسئلے کو توجہ کا مرکز نہیں بنایا گیا بلکہ بگاڑ کی جڑ پر انگلی رکھنے کی کوشش کی گئی۔ مختصراً اس اجتماع میں یہ بات قوم کے سامنے رکھی گئی کہ اصل بگاڑ نظریاتی، اخلاقی اور اداراتی ہے۔ بلاشبہہ شخصیات اور افراد، خصوصیت سے ان کا کردار، ماضی اور حال دونوں اہم ہیں اور یہ بہت ہی تکلیف دہ امر ہے کہ عوام نے بڑی امیدوں سے اور بہت واضح وعدوں کی روشنی میں جن کو اقتدار سونپا انھوں نے ذاتی، گروہی اور جماعتی مفاد کی خاطر چند مہینے ہی میں عوام کو مایوس کر دیا ہے اور اس مینڈیٹ کا جواز بُری طرح مجروح ہوگیا ہے جو ۱۸ فروری کو عوام نے دیا تھا۔ عدلیہ کی بحالی کے مسئلے کو اس حکومت نے جس طرح الجھایا اور بگاڑا، وہ یقیناً اس حکومت کا ایک مجرمانہ فعل ہے۔ چیف جسٹس افتخار چودھری اور ان کے ساتھ معزول کیے جانے والے ۶۰ ججوں کی بحالی کا راستہ ترک کر کے مسئلے کو اُلجھانے اور بددیانتی سے تعویق میں ڈالنے کا رویہ اختیار کیا۔ عدلیہ کی آزادی کو اُلٹی چھری سے سرعام ذبح کیا گیا ہے۔ کچھ ججوں کو مجبور اور بے وقعت کر کے نئے حلف کے تحت واپس لیا گیا ہے اور اس طرح عدالت پر سے پوری قوم کا اعتماد متزلزل کر دیا گیا ہے۔ جتنی بے وقعت اعلیٰ عدلیہ

آج ہے پاکستان کی تاریخ میں پہلے کبھی نہیں تھی اور اس کی ذمہ داری پرویز مشرف کے بعد زرداری-گیلانی حکومت اور اس کے وزیرقانون پر ہے۔ اسی طرح دستور کی بحالی اور جس طرح ۱۲ اکتوبر ۱۹۹۹ء اور ۳نومبر ۲۰۰۷ء کے آمرانہ اقدامات سے دستور کا حلیہ بگاڑا گیا ہے، اسے اس کی اصل شکل میں لانے کے مسئلے کو تعویق میں ڈال دیا گیا ہے اور عملاً پارلیمنٹ کو بے اثر بنا کر صدارتی نظام ملک پر مسلط کر دیا گیا ہے۔ اس فرق کے ساتھ کہ جو اختیارات پہلے مشرف کے پاس تھے وہ اب زرداری صاحب کے ہاتھوں میں ہیں۔ یہ اس عہدوپیمان کے ساتھ کھلی غدّاری ہے جو میثاقِ جمہوریت میں اور پھر فروری کے انتخابات کے موقع پر خود اپنے منشور میں حکمرانوں نے کیا تھا۔

● **'دہشت گردی' کے خلاف جنگ میں شرکت**: یہ سلسلہ نہ صرف تسلسل سے جاری ہے بلکہ موجودہ حکمرانوں نے مشرف سے بھی زیادہ امریکا کی وفاداری کا طوق اپنی گردنوں میں ڈال لیا ہے اور وطنِ عزیز کو گویا جنگ کے شعلوں میں جھونک دیا ہے۔ فوجی آپریشن نہ صرف جاری ہے بلکہ اس میں زیادہ شدت آئی ہے۔ امریکا کی دراندازیاں اور سرحدات کی خلاف ورزیاں بڑھ گئی ہیں اور حکومت کا حال یہ ہے کہ ؏

ٹک ٹک دیدم ، دم نہ کشیدم

پارلیمنٹ نے ایک متفقہ قرارداد منظور کی ہے جس میں جنگ اور فوجی کارروائی کے راستے کو رد کیا گیا ہے اور مذاکرات، جنگ بندی، فوجوں کی واپسی اور پوری سیکورٹی اور خارجہ پالیسی کی تشکیلِ نو کا مطالبہ کیا گیا۔ مگر پارلیمنٹ کی قرارداد نوحہ کناں ہے اور حکومت اور امریکا دونوں اپنی من مانی کر رہے ہیں اور بات ملک کی آزادی، حاکمیت، خودمختاری اور عزت و وقار کی پامالی تک پہنچ چکی ہے۔ صدر، وزیراعظم اور وزیردفاع ایسے بیانات دے رہے ہیں جو ملک وقوم کے لیے شرمناک ہیں لیکن حکمران اتحاد کے بڑے بڑے سورما ہیں کہ پھر بھی لیلاے اقتدار سے چمٹے ہوئے ہیں۔ یہ کیسی حکومت ہے کہ جس کے شرکا اپنی ہی حکومت کی پالیسی کی مذمت بھی کرتے ہیں اور کرسی چھوڑنے کا باعزت راستہ بھی اختیار نہیں کرتے۔

● **امن و امان کے فقدان اور ظلم و جور کی فراوانی**: بلوچستان کے لوگوں سے معافی تو مانگ لی لیکن فوجی آپریشن، گرفتاریاں اور حق تلفیاں اسی طرح جاری ہیں اور بلوچستان میں

ایک ایسی نادرہ روزگار حکومت قائم ہے جس میں اسمبلی کے ۶۳ ارکان میں سے ایک کو چھوڑ کر سب ہی وزیر یا پارلیمانی سیکرٹری بنا دیے گئے ہیں۔ قوم کے اخلاقی بگاڑ کی اس سے زیادہ کریہہ شکل اور کیا ہوگی کہ رند اور پارسا، قوم پرست اور مرکز کے منظورِ نظر، پی پی پی، مسلم لیگ (ق) جمعیت علماے اسلام، اے این پی، بلوچ نیشنلسٹ سب ہی اس کشتی میں سوار ہیں۔ معاملہ سیاسی تنازعات کا ہو یا معاشی محرومیوں کا، امن وامان کا ہو یا دہشت گردی پر قابو پانے کا، لاپتا افراد کا ہو یا عزت کے نام پر قتل کا، ملک کی مجموعی صورتِ حال میں کوئی فرق نہیں پڑا ہے جب کہ بدحال معیشت میں اقتدار کے متوالوں کی شاہ خرچیاں حسبِ سابق جاری ہیں۔ خود مرکز میں ۵۵ افراد پر مشتمل وزارت ہے اور اس میں مشیروں، سفیروں اور پارلیمانی سیکرٹریوں کو ملا کر تعداد ۱۰۰ تک پہنچتی ہے جن کا سالانہ بوجھ مرکزی خزانے پر ایک ارب روپے سے کم نہیں ہوسکتا۔ سندھ کا حال بھی کچھ مختلف نہیں۔ نہ صرف امن وامان مفقود ہے بلکہ طالبائزیشن کا ہوّا دکھا کر ایم کیو ایم کے قائد کھلے بندوں کہہ رہے ہیں کہ اسلحہ حاصل کرو اور مقابلے کی تیاری کرو۔ سیاسی قتل و غارت کا بازار گرم ہے اور گذشتہ ۹ ماہ میں ۵۰ سے زیادہ افراد کا قتل کھلے بندوں ہو چکا ہے۔[1]

● **ایم کیو ایم کا کردار**: قانون کی حکمرانی کے پس منظر میں دو چیزوں کا ذکر بے محل نہیں ہوگا۔ گورنر سندھ کے ایما پر سندھ کے وزیراعلیٰ نے کراچی اور حیدرآباد کی ایم کیو ایم کے زیراثر شہری حکومتوں کو آڈٹ سے مستثنیٰ قرار دے دیا ہے جب کہ باقی تمام لوکل باڈیز کے آڈٹ ہو رہے ہیں۔

۱- روزنامہ ڈان ۷ انومبر ۲۰۰۸ء میں الطاف حسین صاحب کا یہ بیان قابلِ غور ہے:

''انھوں نے نوجوانوں کو مشورہ دیا کہ نجی سیکورٹی ایجنسیوں میں ملازمت کریں تاکہ وہ اپنے علاقوں کی سلامتی میں حصہ لے سکیں۔ وہ پولیس اور فوج میں بھی جائیں۔ مسٹر حسین نے کہا کہ کراچی مسلح طالبان سے اَٹا پڑا ہے جنھوں نے تمام علاقوں کو گھیرے میں لے لیا ہے۔ کراچی کے شہری اپنے دفاع سے غافل ہیں، ان کے لیے اسلحہ لائسنس حاصل کرنا ضروری ہے''۔

واضح رہے کہ یہ پہلا موقع نہیں ہے کہ الطاف حسین اور ایم کیو ایم نے کھلے بندوں اسلحے کے حصول کی مہم چلائی ہے۔ ۹۰-۱۹۸۹ء کے خون آشام دور میں بھی الطاف صاحب نے پبلک سے اپیل کی تھی کہ ٹیلی ویژن سیٹ بیچ دو اور اسلحہ خرید لو۔ کیا اب پھر کراچی میں خون کی ہولی کھیلنے کی تیاریاں ہو رہی ہیں؟ سندھ کے وزیرداخلہ نے کہا ہے کہ کراچی میں طالبانائزیشن کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔

بدعنوانی اور قانون کے اسقاط (miscarriage) کی اس سے قبیح مثال اور کیا ہو سکتی ہے۔

● **اقتصادی بحران:** افراطِ زر کا عفریت دندناتا پھر رہا ہے اور اب خوراک کے اشاریے میں ۳۰ فی صد اضافہ اور عام قیمتوں کے اشاریے میں ۲۴ فی صد کا اضافہ ہے۔ اشیاے ضرورت کی قلت ہے اور قیمتوں کو آگ لگی ہوئی ہے۔ بے روزگاری عروج پر ہے۔ غریبوں کی تعداد آبادی کے ۲۴ فی صد سے بڑھ کر ۴۴ فی صد ہو گئی ہے۔ دوسرے الفاظ میں ملک کی ۱۷ کروڑ آبادی میں اس وقت سات کروڑ سے زیادہ خطِ غربت کے نیچے زندگی گزار رہے ہیں۔ ملک میں درآمدات ۴۰ بلین ڈالر سے بڑھ گئی ہیں جب کہ برآمدات ۲۰ بلین ڈالر سے بھی کم ہیں۔ گویا تجارت کا خسارہ ۲۰ بلین ڈالر سے زائد کا ہے۔ ادایگیوں کا توازن بھی بدترین حالت میں ہے، ۱۱ بلین ڈالر سے زیادہ صرف ایک سال میں۔ یہی حال مالی بجٹ کے خسارے کا ہے۔ قرضے بڑھ رہے ہیں۔ ملکی قرضوں کا حجم اب ۴ کھرب روپے سے زیادہ ہے اور بیرونی قرضے ۴۷ بلین ڈالر تک پہنچ گئے ہیں۔ اب آئی ایم ایف کے جال میں پھنسنے کے بعد یہ قرض آیندہ سال کے آخیر تک ۵۰ بلین ڈالر کی خبر لائے گا۔ ان نو ماہ میں حکومت کوئی مربوط معاشی اور مالیاتی پالیسی نہیں بنا سکی ہے۔ آئی ایم ایف کی ساری شرائط پر قرضہ ملنے سے پہلے ہی عمل شروع ہو گیا ہے اور ان میں سب سے نقصان دہ شرط یعنی ملک میں شرح سود میں اضافہ کسی تکلف کے بغیر کر دیا گیا ہے۔ پچھلے دو سال میں یہ شرح ۱۰ فی صد سے بڑھا کر ۱۵ فی صد کر دی گئی ہے (دو فی صد کا اضافہ اسی مہینے ہوا ہے) اور خطرہ ہے کہ ابھی ۱.۵ یا ۲ فی صد مزید اضافہ کیا جائے گا جو ملک میں سرمایہ کاری کے لیے سمِ قاتل ہے کہ سرمایے کی لاگت (cost of capital) مسلسل بڑھ رہی ہے، جب کہ سرمایہ کاری اور صنعتی پیداوار میں کمی ہو رہی ہے اور سرمایے کے مہنگا ہونے کے باعث سیکڑوں صنعتی ادارے پچھلے تین سال میں بند ہو گئے ہیں۔ ایک طرف یہ معاشی صورت حال ہے اور دوسری طرف حکومت کی شاہ خرچیوں میں کوئی فرق نہیں۔ بیرونی اسفار پر کروڑوں روپے خرچ کیے جا رہے ہیں اور تازہ ترین تحفہ یہ ہے کہ پلاننگ کمیشن نے صدر زرداری صاحب کی نوڈیرو (لاڑکانہ) کی کوٹھی کی حصار بندی کے لیے ۱۱ کروڑ روپے کی رقم منظور کی ہے اور اسلام آباد کے ایوانِ صدر کی تزئین کے لیے ۸ کروڑ ۲۳ لاکھ روپے کی۔ اور یہ بھی صرف پہلا فیز ہے، آگے آگے دیکھیے ہوتا ہے کیا۔ (دی نیوز، ۲۳ نومبر ۲۰۰۸ء)

پچھلے ایک سال میں بنکوں کے نظام میں قرض کے نادہندوں (Non Performing Loans) کی مالیت ستمبر ۲۰۰۸ء کے آخیر میں ۳۷ء۲۸۸ ارب روپے تھی، جب کہ ستمبر ۲۰۰۷ء میں یہ رقم ۱۱ء۲۵۱ بلین تھی۔ گویا اس ایک سال میں ۳۷ ارب روپے کا اضافہ ہوگیا ہے۔

● **اداروں کا بگاڑ اور فساد**: یہ عدم استحکام کی بنیادی وجہ بن گیا ہے۔ سارا نظام ذاتی انداز میں (personalized) چل رہا ہے۔ نہ بیوروکریسی میں کوئی غیر جانب داری اور نہ پیشہ ورانہ امور کا لحاظ ہے، نہ عدالت میں انصاف، نہ ملک کی پولیس میں دیانت اور احساسِ ذمہ داری، نہ تجارت اور صنعت میں ملک کے مفاد اور عوام کی مشکلات کا احساس۔ نئی حکومت کی تقرریوں کو دیکھیے تو انسان سر پیٹ لیتا ہے۔ جس طرح ہر جگہ این آر او کے ذریعے کرپشن پر پردہ ڈالنے والوں کا راج ہے، جس طرح یار دوست ہر اہم مقام پر لگائے جا رہے ہیں اور قانون، ضابطہ اور اہلیت کا خون ہو رہا ہے، وہ دل خراش ہے اور ملک کے مستقبل کے لیے اندوہناک۔

جماعت اسلامی کی نگاہ میں مسئلے کی اصل جڑ اخلاقی فساد اور اجتماعی اور اداراتی بگاڑ ہے۔ قیادت کی ناکامی اور جمہوری عمل کو دستور یا قانون اور ضابطے کے مطابق چلانے سے مکمل بے اعتنائی ہے۔ اور یہ بگاڑ اس وقت تک دُور نہیں ہوسکتا جب تک ایسی قیادت برسرِ کار نہ آئے جو اخلاقی اعتبار سے اعلیٰ کردار کی حامل ہو، جو نظریاتی اعتبار سے پاکستان اور نظریۂ پاکستان کی وفادار ہو، جو قوم ہی سے ہو اور قوم کے سامنے جواب دہ ہو، جو امریکا اور بیرونی طاقتوں کے زیربار نہ ہو اور ان سے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر خودداری سے معاملہ کرسکے، جو ملک کی آزادی اور عزت کا سودا کرنے والی نہ ہو اور قومی خودمختاری اور وقار کی خاطر جان کی بازی لگانے کا داعیہ اور صلاحیت رکھتی ہو۔

جماعت اسلامی کا اجتماع انقلابِ قیادت کے اس آہنگ کا برملا اظہار ہے۔

اجتماع کا پیغام: جہدِ مسلسل

اجتماع میں جماعت کی قیادت نے آیندہ کے لیے جو پروگرام جماعت کے کارکنوں اور پوری قوم کو دیا ہے وہ تجدید عہد، وقت کی قربانی اور مسلسل جدوجہد کا پیغام ہے۔ اس میں پہلی اور سب سے اہم چیز رجوع الی اللہ ہے کہ ہماری ساری دعوت اور پروگرام کی بنیاد اللہ سے تعلق،

اللہ سے مدد اور استعانت کی طلب، اللہ کے دین کی سربلندی کا جذبہ اور کوشش، اور اللہ کی خوش نودی کا حصول ہے۔ تحریک کے کارکنوں کے لیے اجتماع کا دوسرا پیغام جماعتی استحکام ہے۔ اپنی صفوں کو مضبوط کرنا، اپنے تربیتی نظام کو مؤثر بنانا، اپنی تنظیم کو زیادہ مستحکم کرنا، جہاں تنظیم نہیں ہے یا کمزور ہے اس کی تقویت کی فکر کرنا، جماعت میں ڈسپلن، وقت کی پابندی، ذمہ داریوں کی صحیح ادایگی، ایک دوسرے کی معاونت اور تقویت کا باعث ہونا ___ ان سب پہلوؤں سے جماعت کو مضبوط کرنا تاکہ آگے کے مراحل میں چیلنجوں کا مؤثر مقابلہ کیا جاسکے۔

تیسرا پیغام دعوت کا ہے۔ جماعت کی نگاہ میں ہمارا سب سے اہم کام عوام تک پہنچنا اور ہرممکن طریقے سے ان تک اسلام کی دعوت اور جماعت کے پروگرام کو پہنچانا ہے۔ ہمارا اصل ہدف انسان سازی ہے ___ ووٹ اس کا نتیجہ ہے، اولین ہدف نہیں۔ جتنا ہم اپنا پیغام لوگوں تک پہنچائیں گے، ان کے سوالات کا تشفی بخش جواب دیں گے، اپنے سیرت و کردار اور اپنی خدمت سے ان کے دلوں کو اسلام اور جماعت کے لیے جیتیں گے اتنا ہی ہمارا وزن بڑھے گا اور بالآخر انتخابات میں بھی اس کے ثمرات سے جماعت اور ملک فیض یاب ہوسکیں گے۔ ۲۰۰۸ء بھی دعوت کا سال تھا اور ۲۰۰۹ء بھی دعوت کا سال ہے تاکہ ساری سرگرمیوں میں اولیت دعوتی کاموں کو دی جائے۔ امیر جماعت نے کارکنوں سے متعین طور پر وقت دینے کی خصوصی اپیل کی ہے اور ہرسطح پر تمام جماعتیں اب اس کا اہتمام کریں گی کہ ایک متعین پروگرام کے تحت ہر کارکن سے وقت کا مطالبہ کریں اور جو جتنا وقت دینے کا وعدہ کرے اسے مناسب ترجیح کے ساتھ دعوتی سرگرمیوں میں شامل اور متحرک کیا جائے۔

دعوت کے ساتھ ساتھ تمام اچھے لوگوں کو جماعت میں سمونے اور شامل کرنے کی ضرورت ہے۔ اس کے لیے جماعت میں وسعت پیدا کرنا ضروری ہے۔ ایک طرف اپنے اخلاقی اور نظریاتی معیار کی حفاظت کیجیے تو دوسری طرف فراخ قلبی اور کھلے بازوؤں کے ساتھ تمام اچھے انسانوں کو جماعت میں لانے کی کوشش کیجیے اور انھیں ان کے مقام کے مطابق جگہ دیجیے تاکہ وہ جماعت کا حصہ بن جائیں اور اس دعوت کی تقویت کا باعث ہوں۔ یہ کام اس انداز میں کیا جائے کہ ہرعلاقے کے بااثر افراد تک دعوت پہنچائی جائے اور انھیں جماعت کے ساتھ مربوط کرنے کی کوشش کی جائے۔

اللہ کا فضل ہے کہ جماعت اسلامی کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ یہ انسانی مساوات اور اہلیت کی بنیاد پر قیادت کے اصول پر قائم ہے۔ جماعت میں پہلے دن سے قانون اور ضابطے کی پابندی کی روایت ہے۔ قیادت نہ موروثی ہے، نہ خاندانی اور نہ وصیت کے ذریعے قیادت کی ٹوپی سر کی زینت بنائی جاتی ہے۔ دستور کے مطابق متعین وقت پر انتخابات ہوتے ہیں اور ہر سطح پر ہوتے ہیں۔ ہر شخص کے لیے ذمہ داری کے مقامات تک رسائی ممکن ہے بشرطیکہ اس میں وہ صلاحیت اور اہلیت موجود ہو جو دستور نے مقرر کی ہے۔ نہ کوئی سونے کا چمچہ منہ میں لے کر آتا ہے اور نہ کسی کے لیے دروازہ بند ہے۔ پھر جماعت کے اندر مشورے کا نظام رائج ہے، بلاشبہہ اطاعت امیر ہماری قوت کا ذریعہ ہے لیکن امیر کی طاقت کا انحصار مشاورت کے اس نظام پر ہے جو ہر سطح پر قائم کیا گیا ہے۔ جماعت میں نئے خون کی آمد کا سلسلہ الحمدللہ پہلے دن سے جاری ہے اور آج مرکزی شوریٰ میں اکثریت ان لوگوں کی ہے جو اسلامی جمعیت طلبہ، جمعیت طلبہ عربیہ اور دوسری برادر تنظیموں میں سرگرم تھے۔ زندہ اور ترقی کرنے والی تحریکوں کا یہ خاصا ہے۔ ان میں بزرگوں کا احترام اور ان سے استفادے کے ساتھ نئے باصلاحیت افراد کی قدر اور ان کو ذمہ داریاں سونپنے کا اہتمام ہوتا ہے۔ البتہ خدا کا خوف، دین کا فہم، اعلیٰ کردار اور حسنِ کارکردگی وہ صفات ہیں جو ترقی کا زینہ اور کامیابی کی ضمانت ہیں۔

جماعت کے اس اجتماع میں حسنِ انتظام کے ساتھ بڑی اہم چیز اجتماع کے پورے پروگرام کو انٹرنیٹ کے ذریعے پوری دنیا تک پہنچانے کی بڑی کامیاب کوشش تھی۔ جدید ٹکنالوجی کا استعمال ہمارے پیغام کے ابلاغ کے لیے ضروری ہے۔ الحمدللہ اس اجتماع میں اس کا بڑا کامیاب استعمال ہوا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے اب ہر میدان میں نوجوانوں کو ان کی صلاحیتوں کے مطابق مناسب کام پر لگایا جائے اور جدید ٹکنالوجی کا استعمال صرف انٹرنیٹ پر اجتماع کے پروگرام تک محدود نہ ہو بلکہ جہاں بھی انتظامی، تربیتی، دعوتی کاموں کو خوب تر بنانے کے لیے جدید اسلوب اور جدید سہولتوں کا استعمال ممکن ہو، اس کا اہتمام کیا جائے۔ ملک کی آبادی کا نصف اب نوجوانوں پر مشتمل ہے جو تعلیم اور مہارت کے جدید تجربات سے روشناس ہیں۔ دعوت کی وسعت اور تنظیم کے استحکام دونوں کے لیے ان مردانِ کار اور جدید فنی اختراعات کا بھرپور استعمال وقت کی ضرورت

ہے۔ وسعت اور صف بندی دونوں کے لیے ان شاء اللہ یہ مفید ہوں گے۔

اجتماع کے پیغام کا ایک اور پہلو، اور شاید سب سے اہم پہلو، نئی اُمید، نیا عزم اور حالات کو صحیح سمت میں تبدیل کرنے کا عزم اور داعیہ ہے۔ ہر فرد اس اجتماع سے ایک نیا جذبہ لے کر رخصت ہوا ہے۔ بڑے عرصے کے بعد اس وسیع پیمانے پر اُمید اور روشنی کے احساسات اور جذبات کا ہم سب نے تجربہ کیا ہے۔ یہ امر، تحریک اور ملک کے لیے بڑا نیک شگون ہے۔ جس ملک میں ہر طرف مایوسی اور اضطراب کی لہریں اُبھر رہی ہوں وہاں ایک ایسے اجتماع کا انعقاد جہاں لاکھوں افراد نے اجتماع کے ہر لمحے کا لطف لیا ہو اور اجتماع سے ایک نیا جذبہ اور ولولہ لے کر اپنے اپنے دائرہ کار میں شریکِ جدوجہد ہو رہے ہیں، ایک بڑا ہی مبارک واقعہ ہے۔ اقبال کی روح جس ابراہیم کی تلاش میں بے چین اور بے قرار تھی آج تحریکِ اسلامی براہیمیّت کے اس جوہر کی امین ہے۔ جس طرح سیدنا ابراہیم علیہ السلام ایک عظیم فکری سفر کے بعد اپنے رب تک پہنچے، اسی طرح باطل افکار کے ایک جنگل سے گزر کر تحریک کے کارکن اسلام کی شاہ راہ تک پہنچے ہیں۔ جس طرح سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے جاہلیت کے ہر صنم پر ضرب لگائی، اسی طرح تحریکِ اسلامی اپنے دور کے ہر صنم سے نبرد آزما ہے۔ جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے وقت کے طاغوت کو چیلنج کیا اور طاقت کے مرکز کو نشانہ بنایا اسی طرح تحریکِ اسلامی آج ملک اور عالمی سطح پر طاغوت کے تمام مظاہر سے برسرِ کش مکش ہے۔

یہ سب صحیح لیکن چیلنجوں کی اس مماثلت اور ردعمل کی مشابہت کے باوجود سنت ابراہیمی سے مطابقت کوئی آسان کام نہیں۔ البتہ شوق، جدوجہد، خلوص اور استعانت باللہ ہر مرحلے کو آسان بنا سکتے ہیں۔ شرط ایمان، توفیق اور کوشش ہے اور سب سے بڑھ کر اللہ کی رحمت اور نصرت اور اپنے رب سے بہتری کی اُمید ؎

آج بھی ہو جو براہیم کا ایماں پیدا
آگ کرسکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

(کتابچہ منشورات منصورہ لاہور سے دستیاب ہے، قیمت: ۱۲ روپے)

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی شہرہ آفاق تصنیف تفسیر تفہیم القرآن (6 جلدیں) وترجمہ قرآن مجید مع مختصر حواشی (1 جلد) جن کو اب ادارہ ترجمان القرآن (پرائیویٹ) لمٹیڈ لاہور نے CD میں بھی تشکیل دیا ہے۔ یہ تفہیم القرآن MP3 4 عدد CD اور ترجمہ قرآن مجید سنگل CD میں ہیں۔ ان کے حقوق ادارہ ترجمان القرآن (پرائیویٹ) لمٹیڈ لاہور کے پاس محفوظ ہیں۔ ادارہ ہذا اس کا واحد تقسیم کار ہے۔ ادارہ ترجمان القرآن (پرائیویٹ) لمٹیڈ لاہور کے علاوہ کسی فرد یا ادارہ کو ان CD کے ریکارڈ یا تقسیم کا کوئی حق حاصل نہیں ہے اگر کوئی شخص یا ادارہ اس خلاف ورزی کا مرتکب پایا گیا تو ادارہ ترجمان القرآن (پرائیویٹ) لمٹیڈ لاہور کو اُس شخص یا ادارہ پر قانونی چارہ جوئی کا حق حاصل ہوگا۔

اوباما، پاکستان اور عالمِ اسلام

پروفیسر خورشید احمد

۲۰۰۸ء کے امریکی صدارتی انتخاب کے دو پہلو غیر معمولی اہمیت کے حامل ہیں۔ پہلا یہ کہ امریکا کی سوا دو سو سالہ تاریخ میں یہ پہلا موقع ہے کہ ایک غیر سفید فام شخص صدارت کا امیدوار بنا اور صدر منتخب بھی ہوگیا۔ واضح رہے کہ بارک حسین اوباما مکمل سیاہ فام نہیں، اس کا باپ کینیا کا ایک مسلمان سیاہ فام تھا مگر اس کی ماں ایک سفید فام امریکی خاتون تھی۔ یہی وجہ ہے کہ رنگ دار (coloured) نسل سے ہونے کے باوجود اسے سیاہ فام (black) نہیں کہا جاسکتا۔

۲۰۰۸ء کے انتخابات کا دوسرا غیر معمولی پہلو اس انتخاب میں غیر ملکی دنیا کی انتہائی دل چسپی ہے جس کی وجہ صرف اوباما کا رنگ اور نسلی اور سیاسی پس منظر یا اس کی ۴۷ سالہ جواں عمری (youthful looks) ہی نہیں، بلکہ امریکا کی وہ تصویر (image) تھی جو صدر بش کے آٹھ سالہ تاریک دور میں دنیا بھر میں قائم ہوئی اور جس نے امریکا کو تقریباً پوری دنیا میں (اسرائیل اور بھارت کے سوا) ناپسندیدہ اور لائقِ نفرت بنا دیا تھا۔ امریکا سے یہ بے زاری اور امریکا میں تبدیلی کا امکان وہ چیز تھی جس نے اوباما کے انتخاب کو پوری دنیا کی توجہ کا مرکز بنا دیا اور معلوم ہو رہا تھا کہ ۴نومبر کو انتخاب امریکا کے نہیں، بلکہ پوری دنیا کے ہو رہے ہیں۔ دنیا کی اس غیر معمولی دل چسپی نے اوباما کی آزمایش میں اضافہ ہی کیا ہے۔ دیکھیے وہ اس سے کس طرح عہدہ برآ ہوتا ہے۔

بلاشبہہ اوباما کا صدر منتخب ہونا اور ۷۰ لاکھ ووٹوں کی برتری سے منتخب ہونا ایک اہم تاریخی واقعہ ہے۔ ان انتخابی نتائج اور پورے انتخابی عمل کی کامیابی پر امریکی جمہوریت اور امریکی عوام کے سیاسی کردار اور بیداری کو داد نہ دینا ناانصافی ہوگی۔ امریکا کی حکومتوں سے ہمیں جو بھی شکایات

ہوں اور جارج بش کے دور میں جو زخم بھی پاکستان اور اُمت مسلمہ کے سیاسی جسد پر لگے ہیں، وہ اپنی جگہ، لیکن اوباما کا انتخاب تاریک اُفق پر روشنی کی ایک کرن ہے اور ہمیں اس کے اعتراف میں کوئی باک نہیں۔

۲۰۰۸ء کے امریکی انتخابات امریکا کی تاریخ کے سب سے مہنگے انتخابات بھی تھے۔ اب تک کے اندازوں کے مطابق اس انتخاب پر ۵ ارب ڈالر سے زیادہ خرچ ہوئے ہیں۔ البتہ دل چسپ بات یہ ہے کہ ماضی کی طرح ری پبلکن مالی وسائل کی فراہمی میں اس دفعہ آگے نہیں تھے۔ اوباما نے اس میدان میں بھی انھیں پیچھے چھوڑ دیا حالانکہ امریکا کے دولت مند طبقے کی میکین کو مکمل حمایت حاصل تھی اور یہی روایت رہی ہے۔ اس سے بھی زیادہ دل چسپ اور خوش آیند پہلو یہ ہے کہ امریکا کی تاریخ میں یہ پہلی مرتبہ ہوا ہے کہ کم رقم کے عطیات دینے والوں نے اپنے صدارتی امیدوار کے فنڈ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے اور ۱۰۰ ڈالر اور ۱۰۰۰ ڈالر والے عطیات کی اوباما کی مہم میں بھرمار رہی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی عوام کو متحرک اور مجتمع کرنے میں کامیاب ہو جائے تو عام ووٹروں سے بھی بڑے وسائل حاصل کیے جاسکتے ہیں۔

بلاشبہہ جارج بش کی آٹھ سالہ ناکامیاں اوباما کے لیے مثبت پہلو رکھتی تھیں اور میکین کے لیے اصل بوجھ (liability) تھیں۔ لیکن یہ کہنا صحیح نہیں ہوگا کہ اوباما کی کامیابی دراصل بش کے لیے منفی ووٹ کی رہینِ منت ہے۔ بلاشبہہ اس منفی ووٹ کا اوباما کو فائدہ ہوا لیکن اوباما کی کرشماتی شخصیت (personal charisma)، اس کی خطابت اور حاضر جوابی، اس کی جواں سالی، ان سب کا حصہ اس فتح میں شامل ہے۔ لیکن ہمارے خیال میں سب سے اہم چیز اوباما کی انتخابی حکمت عملی ہے جس میں اس نے تبدیلی اور اُمید (change and hope) کو مرکزی اہمیت دی۔ امریکا بش کے آٹھ سالہ اقتدار کے بعد تبدیلی کا خواہش مند تھا جیسا کہ پاکستان میں فروری ۲۰۰۸ء کے انتخابات میں پاکستانی ووٹر کی خواہش تھی۔ اوباما نے تبدیلی کی اس خواہش کو اپنی انتخابی مہم کا مرکزی موضوع بنایا اور عوام کو یہ یقین دلانے میں کامیاب رہا کہ وہ امریکا کی داخلی اور خارجی سیاست، دونوں کا رُخ بدلنا چاہتا ہے اور اس کے پاس اس تبدیلی کو لانے کی صلاحیت موجود ہے۔

دوسری بنیادی چیز اوباما کا امریکا کے نوجوانوں اور محروم طبقوں کو اپیل کرنا تھا۔ روزگار،

چھوٹا کاروبار اور خصوصیت سے ایک عام امریکی کے لیے صحت کی انشورنس اور علاج کی سہولتوں کی فراہمی کے پروگرام میں بڑی کشش تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیا کی ساڑھے پانچ فی صد آبادی والے ملک امریکا کے پاس دنیا کی دولت کا ۲۵ فی صد ہے مگر اس کے باوجود امریکا میں آبادی کا ۱۴ فی صد خطِ غربت سے نیچے زندگی گزار رہا ہے۔

تیسری چیز عراق کی جنگ کے سلسلے میں انخلا کی حکمت عملی (exit strategy) کا وعدہ ہے۔ نیز انسانی حقوق کی جو خلاف ورزیاں بش کے دور میں 'دہشت گردی' کے خلاف جنگ کے دوران ہوئی ہیں ان سے اوباما نے فاصلہ پیدا کیا اور ان میں سے کئی کے بارے میں تبدیلی کا وعدہ کیا۔ گوانتانامو کو بند کرنے، تعذیب (torture) کو معلومات حاصل کرنے کے لیے استعمال کرنے سے پرہیز اور قید کے دوران شخصیت کی توڑ پھوڑ کے عمل (rendition) سے اجتناب کا کھل کر ذکر کیا گیا۔

صدارتی انتخاب کے دوران پولنگ اسٹیشن سے باہر آنے والوں کے سروے (Exit Poll) کے تجزیے سے بڑے دل چسپ اور چشم کشا نکات سامنے آئے ہیں۔ ووٹروں کے ۶۲ فی صد کی نگاہ میں انتخاب میں اہم ترین مسئلہ معاشی حالات تھے۔ ۶۲ فی صد کے نزدیک اوباما کے پاس بہتر معاشی حکمت عملی تھی، جب کہ بش کو معاشی بحران کا ذمہ دار سمجھا گیا اور میکین نے اس کی قیمت ادا کی۔ عراق اور 'دہشت گردی' کے خلاف جنگ میڈیا میں سب سے نمایاں موضوع رہے، صرف انتخاب کے دوران ہی نہیں بلکہ پورے سال۔ لیکن ووٹروں میں سے صرف ۱۰ فی صد کے نزدیک عراق اور صرف ۹ فی صد کے خیال میں دہشت گردی کا مسئلہ ان کی رائے کا رُخ طے کرنے پر اثرانداز ہوا ہے۔ صحت کی سہولت کے مسئلے کو بھی ۹ فی صد نے اہم قرار دیا۔ گویا 'دہشت گردی' کا مسئلہ (جس پر امریکا نے ۷۰۰ ارب ڈالر خرچ کیے ہیں اور معیشت کو ۳ کھرب ڈالر کے بوجھ سے گراں بار کیا ہے) اور صحت کی سہولت کی ضرورت کو مساوی اہمیت حاصل رہی ہے۔ حالانکہ امریکا میں علاج معالجے کا پورا نظام نجی سیکٹر میں ہے اور جن افراد کے پاس صحت کی انشورنس نہیں وہ بڑی مشکل میں مبتلا ہیں۔ شاید یہی وجہ ہے اوباما نے انتخاب جیتنے پر جو تقریر شکاگو میں کی اور جو اس کی بہترین تقاریر میں سے ایک ہے، اس میں ایک بار بھی دہشت گردی کے خلاف جنگ یا عراق، افغانستان اور اسامہ بن لادن کا ذکر نہیں کیا۔ یہ تقریر بُردباری، تحمل اور مصالحت کا شاہکار ہے۔

انتخاب کا مرحلہ تو پورا ہوا لیکن امریکا اور پوری دنیا میں اوباما کی فتح سے جو توقعات وابستہ کی گئی ہیں ان میں اب اوباما اور امریکا کا اصل امتحان ہے۔ اوباما نے اپنے تبدیلی کے ایجنڈے پر عمل کیا تو اس خدشے کو خارج از امکان نہیں قرار دیا جاسکتا کہ اس کا انجام سابق ڈیموکریٹک صدر کینیڈی جیسا ہو جائے۔

● **پاکستان کے بارے میں پالیسی:** اوباما کی انتخاب کے بعد کی تقاریر میں بہت احتیاط اور ٹھیراؤ کی کیفیت ہے جو خوش آیند ہے، البتہ انتخابی مہم کے دوران جو باتیں اس نے افغانستان، پاکستان، القاعدہ، طالبان، اسرائیل اور بھارت کے بارے میں کہی ہیں ان میں تشویش کا بڑا سامان ہے اور پاکستان اور عالمِ اسلام کی قیادت کو کسی خوش فہمی کا شکار نہیں ہونا چاہیے بلکہ پوری گہرائی کے ساتھ مستقبل کی حکمت عملی وضع کرنا چاہیے۔

پاکستان کے بارے میں اوباما کے متعدد بیان ہیں مگر دو بیان خصوصیت سے توجہ طلب ہیں۔ پاکستان کے شمالی اور قبائلی علاقوں کے بارے میں اوباما صاف الفاظ میں کئی بار یہ کہہ چکا ہے کہ القاعدہ کی قیادت ان علاقوں میں پناہ گزیں ہوسکتی ہے اور وہ ان کے خلاف پاکستان کی حدود میں کارروائی کرنے سے گریز نہیں کرے گا۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:

> ہمیں یہ واضح کر دینا چاہیے کہ اگر پاکستان خود کارروائی نہ کرے، یا نہ کرسکے تو ہم اسامہ بن لادن جیسے اعلیٰ سطح کے ہدف کو خود نشانہ بنائیں گے، اگر وہ ہماری نظر میں آجائے۔

دوسرا بیان کشمیر کے سلسلے میں ہے جس سے لوگوں نے بہت سی امیدیں لگا ڈالی ہیں مگر بیان کا اصل زور (thurst) کشمیر کی طرف نہیں، افغانستان اور دہشت گردی کے خلاف جنگ پر ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

> پاکستان اور بھارت میں بہتر تفہیم کا راستہ ہموار کرنے اور کشمیر کے بحران کو حل کرنے کی کوشش تاکہ ان کی توجہ کا مرکز بھارت نہ رہے، جنگجوؤں کی طرف مبذول ہو جائے۔

یہ دونوں بیان زیادہ بالغ نظری سے تجزیے کے محتاج ہیں۔ ان کی بنیاد پر امریکا کی پالیسی میں کسی بنیادی تبدیلی کی توقع رکھنا خطرات سے خالی نہیں۔ ہمیں ڈر ہے کہ پاکستان اور افغانستان کے بارے میں اوباما سے کسی بنیادی تبدیلی کی توقع رکھنا عبث ہے۔ عراق سے فوجیں ہٹا کر وہ

انھیں افغانستان لانا چاہتا ہے۔ عراق میں امریکا کی ناکامی اس نے بظاہر تسلیم کر لی ہے، لیکن ہمیں اندیشہ ہے کہ افغانستان کے بارے میں اس کا تجزیہ مختلف ہے اور اس پہلو سے پاکستان کو بڑی تیاری کی ضرورت ہے کہ وہ کس طرح امریکا کو وہاں کی زمینی حقائق کو سمجھنے میں مدد دے، اور افغانستان سے بھی انخلا کی حکمت عملی کا راستہ ہموار کرے ورنہ پاکستان خود اپنے لیے یہ حکمت عملی وضع کرے۔ کشمیر کے بارے میں بھی ہمیں پوری کوشش کرنی چاہیے اور اگر کوئی دروازہ نہ سہی کھڑکی بھی کھلتی ہے تو اس کا فائدہ اٹھانا چاہیے مگر ہمارے پاؤں زمین پر رہیں اور اس نوعیت کی خوش فہمیوں کا شکار نہ ہوں کہ بس اب امریکا کشمیر کا مسئلہ حل کرا دے گا یا اوباما کے آنے کے بعد پاکستان کی سرحدی خلاف ورزیاں ختم ہو جائیں گی، جیسا کہ جنابِ وزیراعظم سے ایک بیان منسوب ہے۔

● **اوباما اور عالمِ اسلام:** ہمیں ڈر ہے کہ مسئلہ فلسطین کے بارے میں جو عالمی عدم استحکام کے مسئلے کی جڑ ہے، اوباما کا رویہ بش سے مختلف نہیں ہوگا بلکہ خطرہ ہے کہ اس کا جھکاؤ اسرائیل کی طرف کچھ زیادہ ہی ہوگا۔ اوباما کا جو بھی مسلم باپ کی وجہ سے اسلام سے تعلق رہا ہے وہ اس کے پاؤں کی بیڑیاں بن سکتا ہے اور وہ کچھ زیادہ ہی اسلام اور مسلمانوں سے فاصلہ رکھنے کی کوشش کر سکتا ہے۔

اسرائیل کے بارے میں اس کے بیانات اور فلسطین کے مسئلے کے اصل حقائق کے اعتراف سے شعوری اغماض بلکہ مسئلہ فلسطین کو نظرانداز کرنے کی کوشش کوئی اچھا شگون نہیں۔ پھر اوباما انتقالِ اقتدار کے لیے جو ٹیم بنا رہا ہے اس میں یہودی لابی اور بھارتی لابی کی بھرمار ہے۔ اس کی طرف سے جس شخصیت کی پہلی اہم تقرری عمل میں آئی ہے وہ الی نوائی ریاست کا ممبر کانگریس راحم ایمانیول ہے جو صرف یہودی ہی نہیں بلکہ معروف صہیونی اور اسرائیلی لابی کے سرکردہ ارکان میں سے ہے اور جس کی تقرری پر اسرائیل میں گھی کے چراغ جلائے گئے اور وہاں کے اخبارات نے برملا لکھا کہ: Our man in the White House (وہائٹ ہاؤس میں ہمارا آدمی)۔

راحم ایمانیول کا باپ اسرائیل کا شہری اور ارگن جیسی دہشت پرست صہیونی تنظیم کا رکن تھا جس نے ۱۹۴۰ء میں فلسطینیوں کو ان کی اپنی سرزمین سے بے دخل کرنے اور اسرائیلی ریاست کے قیام میں خون ریزی میں شرکت کی اور جو امریکا منتقل ہو جانے کے باوجود ۱۹۷۳ء کی جنگ میں

اسرائیل کی فوج میں شرکت کے لیے گیا۔

اسی طرح اب تک کی اطلاعات میں نئی ٹیم میں بھارت سے امریکا منتقل ہونے والے چار افراد شریک کیے جاچکے ہیں جن میں سونل شاہ سب سے خطرناک ہے جس کا تعلق بی جے پی اور امریکا میں ہندو انتہا پسند تنظیموں سے رہا ہے۔ نیز ایک بھارتی ماہر انتظامیات کو عبوری ٹیم میں شامل کیا گیا ہے جس کا نام انجن مکرجی ہے۔ یہ دونوں اس ۱۵ رکنی ٹیم کا حصہ ہیں جو انتقال اقتدار کے عمل کی نگرانی کر رہے ہیں۔ افسوس ہے کہ امریکا کی پاکستان کمیونٹی کا کوئی رول دُور دُور نظر نہیں آرہا۔ انتخابی مہم کے دوران مسلمان ووٹروں میں سے ۹۳ فی صد نے اوباما کو ووٹ دیا مگر اوباما نے مسلمانوں سے فاصلہ رکھا حتیٰ کہ ایک موقع پر اسٹیج سے دو مسلمان خواتین کو اس لیے ہٹا دیا گیا کہ وہ اسکارف میں تھیں اور ان کے اسٹیج پر موجود ہونے کو کچھ حلقوں نے ناپسند کیا۔

ان سب امور کے باوجود ہم سمجھتے ہیں کہ اوباما کے صدر منتخب ہونے سے امریکا اور اس کی پالیسیوں میں کچھ نہ کچھ تبدیلیاں ضرور رونما ہوں گی۔ پاکستان اور مسلم ممالک کو سر جوڑ کر حالات کا حقیقت پسندی سے جائزہ لینا چاہیے اور پاکستان اور مسلم دنیا کو اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے مربوط حکمت عملی بنانے کی کوشش کرنی چاہیے اور یہ عمل مسلسل جاری رہنا چاہیے۔ جس حد تک بھی راستے ملیں ان سے فائدہ اٹھانا چاہیے اور جن نقصان دہ پہلوؤں کے سلسلے میں پیش بندی ممکن ہو اس کی سعی کرنی چاہیے۔ خوش فہمی خطرناک حد تک نقصان دہ ہوسکتی ہے لیکن مایوسی اور عدم تحرک بھی دانش مندی کا راستہ نہیں۔ اوباما کے لیے معاشی اور مالیاتی بحران بھی بہت بڑا چیلنج ہے اور سب سے زیادہ خطرناک مسئلہ ہے۔ اس کا فائدہ اٹھاتے ہوئے پاکستان اور مسلم ممالک کے لیے یہ موقع ہے کہ 'دہشت گردی' کے خلاف جنگ کے جو نقصانات عالمِ اسلام اور خود امریکا کو ہو رہے ہیں اور جن کا احساس امریکی عوام کو ہو رہا ہے، اس کی بنیاد پر مناسب حکمت عملی بنائیں اور فضا کو سازگار بنانے کے مؤثر انتظام (lobbying) کا اہتمام کریں۔ اس طرح ہمارا اور امریکا کا مفاد ایک نکتے پر جمع ہوسکتا ہے اور ہمیں اس جنگ سے نجات مل سکتی ہے جس کا فائدہ اسرائیل اور بھارت کو ہو رہا ہے اور جس نے آزادی کی تحریکات کے پورے محاورے (idiom) کو متاثر کر دیا ہے۔

کلام نبویؐ کی کرنیں

مولانا عبدالمالک

حضرت طلحہؓ بن عبیداللہ بن کریز سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شیطان کسی بھی دن اتنا ذلیل وخوار ،اتنا دھتکارا ہوا،اور پھٹکارا ہوا،اتنا جلا بھنا نہیں دیکھا گیا، جتنا کہ عرفہ کے دن ذلیل وخوار، رُوسیاہ اور جلا بھنا دیکھا جاتا ہے اور یہ صرف اس لیے کہ وہ اس دن اللہ کی رحمت کو موسلا دھار برستے ہوئے دیکھتا ہے(اور یہ اس کے لیے ناقابل برداشت ہے)۔ (مؤطا امام مالکؒ)

جب کوئی اپنے مشن میں ناکام ہوجاتا ہے،تو اسے بڑی تکلیف ہوتی ہے۔لوگ اللہ کی بندگی پر جمع ہوں تو یہ شیطان کی ناکامی ہے۔ اللہ کی بندگی کا سب سے بڑا اجتماع میدان عرفات میں ہوتا ہے، جس میں دنیا بھر سے اہل ایمان بیت اللہ شریف کی دہلیز پر جمع ہوتے ہیں۔گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرتے اور اپنی مغفرت کا سامان جمع کرتے ہیں۔اپنی زندگیوں کو پاکیزہ بناتے ہیں۔ مستقبل میں اللہ کی بندگی کے لیے پوری طرح تیار ہوتے ہیں۔اہل ایمان کامیاب اور شیطان ذلیل وخوار ہوجاتا ہے۔خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو حج کی برکتوں سے اپنے آپ کو مالا مال کرتے ہیں۔
حج کے بعد برائیوں سے بچنا اور نیک کام کرنا،قبولیت حج کی علامت ہے۔حج کے بعد بھی شیطان کو ذلیل وخوار کرنے کا سلسلہ جاری رہنا چاہیے۔اگر تمام حاجی یہ سلسلہ جاری رکھیں اور انفرادی واجتماعی سطح پر شیطان کو ناکام کرنے کی جدوجہد میں شریک رہیں،تو اس کے نتیجے میں ہمارے معاشرے دین کا نمونہ بن جائیں۔

○

حضرت جندب بن عبداللہ بجلیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک

موقع پر صحابہ کرامؓ کا ایک گروہ مشرکین کے خلاف جنگ کرنے کے لیے بھیجا۔ اس گروہ اور مشرکین میں سخت جنگ ہوئی۔ مشرکین میں ایک شخص بہت پھرتیلا اور جنگ جو تھا، جس مسلمان پر حملہ آور ہونا چاہتا، نشانہ بنا لیتا اور قتل کر دیتا۔ مسلمانوں میں سے ایک آدمی نے ارادہ کیا کہ اس پر، اس کی بے خبری میں حملہ کر کے اسے ٹھکانے لگا دے (ہم آپس میں کہا کرتے تھے کہ وہ اسامہ بن زیدؓ تھے)۔ جب اسامہؓ نے اس پر حملہ کیا، اسے اپنی تلوار کی زد میں لے لیا تو اس نے کلمۂ شہادت پڑھ لیا، لیکن اسامہؓ نے اس کی پروا نہ کی اور اسے قتل کر دیا (فتح ہوگئی)۔

فتح کی بشارت دینے والا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا پہنچا اور بشارت دی۔ آپؐ نے حالات معلوم کیے، مبشر نے ساری صورت حال بیان کر دی اور کلمہ پڑھنے والے کے قتل کی خبر بھی پہنچا دی۔ اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہؓ کو بلایا اور پوچھا: تم نے اسے کیوں قتل کر دیا؟ جواب میں حضرت اسامہؓ نے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! اس شخص نے مسلمانوں کو بڑی زک پہنچائی، خون ریزی کی انتہا کر دی اور فلاں فلاں مسلمانوں کو قتل کر دیا (کئی آدمیوں کے نام لیے اور عرض کیا) میں نے اس پر حملہ کیا اور وہ میری تلوار کی زد میں آ گیا تو اس نے تلوار کے ڈر سے کلمہ پڑھ لیا۔ رسولؐ اللہ نے تعجب اور ناراضی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: اچھا تم نے اسے قتل کر دیا؟ اسامہ نے عرض کیا، ہاں یارسولؐ اللہ! آپ نے فرمایا: جب قیامت کے روز لاالٰہ الا اللہ کے کلمے کو لے کر وہ تمھارے خلاف آئے گا (اللہ تعالیٰ سے استغاثہ کرے گا) تو تم کیا جواب دو گے؟

بخاری شریف کی ایک روایت میں ہے، آپؐ نے فرمایا: تم نے اسے لاالٰہ الا اللہ پڑھنے کے بعد قتل کر دیا؟ (اسامہؓ کہتے ہیں) میں نے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! وہ محض جان بچانے کی خاطر کلمہ پڑھ رہا تھا، اس پر آپؐ نے فرمایا: تم نے اسے کلمہ پڑھنے کے بعد قتل کیا؟ آپ بار بار اس کلمہ کو دہراتے رہے۔ یہاں تک کہ میں نے آرزو کی، کاش میں اس دن سے پہلے اسلام نہ لایا ہوتا۔

مسلم شریف کی روایت میں ہے تم نے اس کا دل چیر کر کیوں نہ دیکھ لیا تا کہ تمھیں پتا چلتا کہ اس نے کلمہ دل سے پڑھا تھا یا نہیں۔ (بخاری ومسلم)

حضرت اسامہؓ نے عین میدانِ جنگ میں اس جرم کا ارتکاب کیا تو اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار صدمے کا اظہار کیا اور اسامہؓ کو آخرت کی پکڑ سے ڈرایا لیکن آج مسلمانوں کی ریاست کی فوج

اہلِ ایمان کو بے دریغ قتل کر رہی ہے اور کافروں سے قتل کروانے میں شریک و ساجھی ہے۔ یہ آپریشن اور قتل و غارت اور بم باری کا سلسلہ کب ختم ہوگا؟ کیا یہ اس دن کو بھول گئے ہیں جب یہ سب مقتول اللہ کی عدالت میں فریادی ہوں گے؟

○

حضرت عامر بن واثلہؓ سے روایت ہے کہ چند مسلمان ایک جگہ بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک شخص نے پاس سے گزرتے ہوئے سلام کیا، ان لوگوں نے اسے سلام کا جواب دیا۔ جب ان کے پاس سے گزر گیا تو ان میں سے ایک آدمی نے کہا: اللہ کی قسم! میں اس آدمی سے اللہ کی خاطر بُغض رکھتا ہوں۔ اہلِ مجلس نے کہا: واللہ تم نے بری بات کی ہے، ہم اسے بتلا دیتے ہیں۔ ایک آدمی سے انھوں نے کہا: اٹھو! اور اسے بتلا دو۔ وہ اٹھ کر گیا اور جلدی سے اس کے پاس پہنچا اور وہ بات اُسے بتلا دی، جو اس کے بارے میں بات کرنے والے نے کی تھی۔ بات سن کر وہ آدمی واپس چلا گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ کر عرض کیا: یارسولؐ اللہ! میں مسلمانوں کی مجلس کے پاس سے گزرا، ان میں فلاں آدمی بھی تھا۔ میں نے اہلِ مجلس پر سلام پیش کیا، انھوں نے سلام کا جواب دیا۔ جب میں ان کے پاس سے گزر گیا تو ان میں سے ایک آدمی نے مجھے آ پکڑا اور مجھے اطلاع دی کہ فلاں آدمی نے کہا ہے کہ اللہ کی قسم میں اس سے اللہ کے لیے بُغض رکھتا ہوں۔ آپ اس سے پوچھیے، کس وجہ سے یہ مجھ سے بُغض رکھتا ہے؟ رسولؐ اللہ نے اسے بلایا اور جو شکایت اس نے کی تھی، اس کے بارے میں اس سے پوچھا۔ اس شخص نے اپنی بات کا اعتراف کیا اور کہا: یارسولؐ اللہ! میں نے یہ بات کی ہے۔ رسولؐ اللہ نے پوچھا: کس بنا پر تم اس سے بُغض رکھتے ہو؟ اس نے کہا: میں اس کا پڑوسی ہوں اور مجھے اس کے حالات کا پتہ ہے۔ اللہ کی قسم! میں نے اسے فرض نماز کے علاوہ کوئی نماز پڑھتے نہیں دیکھا۔ یہ فرض نماز تو سارے نیک و بد پڑھتے ہیں۔ اس شخص نے جواباً کہا آپ اس سے پوچھیے کہ کیا اس نے کبھی مجھے دیکھا ہے کہ میں نے نماز کو اس کے وقت سے مؤخر کیا ہو؟ یا رکوع و سجود ٹھیک نہ کیا ہو؟ رسولؐ اللہ نے اس سے پوچھا تو اس نے جواب دیا، نہیں ایسا تو کبھی نہیں کیا۔ پھر کہا اللہ کی قسم میں نے اسے صرف رمضان المبارک کے روزے رکھتے ہوئے دیکھا ہے جو نیک و بد سارے رکھتے ہیں۔ اس نے کہا: یارسولؐ اللہ! اس سے پوچھیے کہ

اس نے کبھی دن میں مجھے افطار کرتے ہوئے پایا ہے؟اس کے حق میں کمی کرتے ہوئے دیکھا ہے؟رسولؐ اللہ نے اس سے پوچھا تو اس نے جواب دیا:نہیں۔ پھر اس نے کہا: میں نے اسے نہیں دیکھا کہ اس نے زکوٰۃ کے علاوہ جو نیک و بد سارے دیتے ہیں،کبھی سائل کو کچھ دیا ہو۔ اس نے کہا یارسول اللہ!اس سے پوچھیے ''کیا میں نے کبھی زکوٰۃ کا زیادہ یا تھوڑا حصہ چھپایا ہے؟یا کبھی میں نے زکوٰۃ طلب کرنے والے سے ٹال مٹول سے کام لیا ہے''۔ رسولؐ اللہ نے اس سے پوچھا تو اس نے جواب دیا: زکوٰۃ میں تو کچھ کمی نہیں کی۔ تو رسولؐ اللہ نے فرمایا: کھڑے ہو جاؤ، میں نہیں سمجھتا کہ تمھارا رویہ صحیح ہے۔ شاید یہ تجھ سے بہتر ہے(الفتح الربانی)

تقویٰ کے گھمنڈ میں مبتلا ہو کر کسی مسلمان خصوصاً فرائض و واجبات کے پابند شخص کو گھٹیا سمجھنا، اس سے بُغض رکھنا ناپسندیدہ بات ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت نرمی سے اس پر متنبہ فرمایا۔ آج کل کسی کے متعلق بات کی جائے تو لڑ پڑتا ہے۔ لیکن اسلام نے ایسے اخلاق کی تعلیم دی ہے کہ ایک آدمی دوسرے کے بارے میں اگر سخت بات کرتا ہے تو دوسرے مسلمان بھائی اس کی غائبانہ مدد کرتے ہیں۔ بات کرنے والے کو اس کی زیادتی پر تنبیہ کرتے ہیں، پھر جس کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے اسے اس کا پتہ دیتے ہیں۔ وہ غصہ سے لال پیلا ہونے کے بجاے اور خود کوئی انتقام لینے کے بجاے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں استغاثہ دائر کرتا ہے۔ آپ باقاعدہ مقدمہ کی سماعت فرماتے ہیں اور دونوں کی باتیں سننے کے بعد مدعا علیہ کے خلاف فیصلہ دے دیتے ہیں لیکن اس طرح کہ مدعا علیہ کی ڈانٹ ڈپٹ اور زجر و توبیخ کے بجاے اتنا فرما دیتے ہیں کہ میں تمھاری بات کی تائید نہیں کر سکتا۔ شاید وہ تجھ سے بہتر ہو۔ یہ نرمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ کریمہ کا مظہر ہے۔ یہ واقعہ صبر و تحمل، صاف گوئی اور وقار و سکون کا بہترین نمونہ ہے۔ مدعی، مدعا علیہ اور موقع کے گواہ سب نے اپنا اپنا کردار بہترین انداز میں ادا کیا۔

○

حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: ''جس نے ایسی چیز فروخت کی جس میں عیب تھا اور خریدار کے سامنے اسے ظاہر نہ کیا۔ وہ اللہ تعالیٰ کی ناراضی میں گھِر جاتا ہے۔ فرشتے بھی اس پر لعنت کرتے ہیں''۔(ابن ماجہ)

یومِ عرفہ کا پیغام

راشد نسیم°

یومِ عرفہ ایک تاریخ ساز دن ہے جب لاکھوں انسان عہد الست تازہ کرنے میدانِ عرفات میں جمع ہوتے ہیں۔ یہ میدان پہاڑوں کے درمیان ایک ویران اور سنسان سی جگہ ہے جو سال بھر غیر آباد رہتی ہے۔ جہاں نہ عمارتیں ہیں اور نہ شان دار رہایش گاہیں۔ یہاں ۹ ذی الحج کو اللہ کے بندے ساری دنیا سے کٹ کر، تمام مادی آسایشیں اور سہولتیں چھوڑ کر، تمام رشتہ داروں سے ناطہ توڑ کر دو اَن سلے سفید کپڑوں، یعنی کفن کے لباس میں حاضر ہوتے ہیں۔ اور تو اور، وہ خانہ کعبہ سے بھی دُور ہوتے ہیں۔ وہ خانہ کعبہ، اللہ کا گھر، ایک پُروقار گھر، جس کو دیکھ کر انسان کے قلبِ مضطرب و بے قرار کو سکون ملتا ہے، آنکھوں کو راحت اور ٹھنڈک پہنچتی ہے، انسان گھنٹوں اس گھر کو دیکھتا ہے لیکن طبیعت ہے کہ سیر نہیں ہوتی۔ لیکن اس گھر کو بھی چھوڑ کر انسان ویران و بیابان عرفات کے میدان میں حاضر ہوتا ہے۔

میدانِ عرفات میں ۹ ذی الحج کی حاضری ہی دراصل حج ہے۔ حدیث میں آتا ہے: حج تو عرفہ ہے، یعنی ۹ ذی الحج کو زوالِ آفتاب کے بعد سے طلوعِ فجر سے پہلے تک عرفات کے میدان میں حاضر ہونے کا نام حج ہے۔ جو کوئی اس متعین تاریخ کو متعین وقت میں عرفات میں حاضر نہ ہوسکا اس کا حج نہیں ہوا۔ اس کا کوئی دَم نہیں، اس میں کوئی تاخیر نہیں، اس کا کوئی ازالہ نہیں۔ وقوفِ عرفات نہیں تو کچھ نہیں، یعنی حج نہیں ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ بعض مریضوں کو ہسپتال سے ہیلی کاپٹروں کے ذریعے اور ایمبولینس کے ذریعے اس خاص وقت میں حدودِ عرفات میں اس

° ریسرچ ڈائرکٹر، ادارہ معارف اسلامی کراچی

حالت میں لایا جاتا ہے کہ آکسیجن لگی ہوتی ہے۔ یہ اس لیے کہ جو عرفات میں حاضر ہوگیا، حج اسی کا ہے ___ یہ ہے اصل حج۔ پھر یہاں اصل اہمیّت حاضری کی ہے۔ نمازیں بھی کم ہوجاتی ہیں، ظہر اور عصر ملا کر پڑھی جاتی ہیں، جب کہ مغرب اور عشاء وہاں ادا ہی نہیں کی جاتیں بلکہ مزدلفہ میں جا کر ادا کی جاتی ہیں۔

عرفات وہ مقام ہے جہاں لاکھوں انسان ایک خاص کیفیت سے دوچار ہوتے ہیں۔ آنکھوں سے آنسو رواں ہیں، ہچکیاں بندھی ہوئی ہیں، ہر طرف گریہ وزاری کے مناظر ہیں، آواز رُندھی ہوئی ہے، اپنے رب سے راز و نیاز کر رہے ہیں۔ میدانِ عرفات کے اس بے آب و گیاہ ویرانے میں یہ خاص کیفیت لوگوں پر کیوں طاری ہوتی ہے؟ یہ بے تحاشا آنسو کیوں بہتے ہیں؟ پھر جو سکون، جو چین انسان کو اس رونے اور گریہ وزاری میں ملتا ہے وہ دنیا جہان کی دولت و ثروت اور مادی سہولتوں میں نہیں ملتا۔ کیوں؟ میدانِ عرفات میں کیا ہے؟ یہاں کی حاضری کیسی ہے؟ انسان کا اس میدان، اس جگہ سے کوئی خاص تعلق ہے؟ میدانِ عرفات میں ایسی کیا چیز ہے کہ نہ صرف وہاں حاضری لازمی ہے بلکہ اس حاضری میں بے شمار انسانوں پر بے حد رقّت اور گریہ طاری ہوتا ہے، آخر کیوں؟

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَ اِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَ اَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَo (الاعراف ۷:۱۷۲) اور اے نبیؐ! لوگوں کو یاد دلاؤ وہ وقت جب کہ تمھارے رب نے بنی آدم کی پشتوں سے ان کی نسل کو نکالا تھا اور انھیں خود ان پر گواہ بناتے ہوئے پوچھا تھا: ''کیا میں تمھارا رب نہیں ہوں؟'' انھوں نے کہا: ''ضرور آپ ہی ہمارے رب ہیں، ہم اس پر گواہی دیتے ہیں''۔ یہ ہم نے اس لیے کیا کہ کہیں تم قیامت کے روز یہ نہ کہہ دو کہ ہم تو اس بات سے بے خبر تھے''۔

مفسرِ قرآن حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے امام احمد، نسائی اور حاکم نے یہ روایت نقل کی ہے کہ یہ عہد و قرار اس وقت لیا گیا جب آدم علیہ السلام کو جنت سے زمین پر اُتارا گیا اور مقام اس اقرار کا وادی نعمان ہے جو میدانِ عرفات کے نام سے معروف و مشہور ہے (تفسیر مظہری،

معارف القرآن، تفسیر سورۂ اعراف، آیت ۱۷۲)

گویا اس سرزمینِ عرفات کا انسان سے ایک ازلی تعلق ہے۔ یہاں انسان کو اس کی اصل یاد کرانی مقصود ہے۔ یہ وہ جگہ ہے جو انسان کی فطرت میں رچی بسی ہوئی ہے۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں رب سے پہلی ملاقات ہوئی تھی اور عہد ہوا تھا۔ یہ وہ بات ہے جو انسان کی روح کی گہرائیوں میں موجود ہے، اس کے شعور میں پنہاں ہے۔ ۹ ذی الحج یومِ عرفہ کہلاتا ہے، یعنی پہچان کا دن، شناخت کا دن، اپنے رب کی معرفت کا دن، خود آگہی کا دن۔ عرفات میں اصلاً بندہ اپنے رب سے ملاقات کرتا ہے۔ پہلی ملاقات لاشعور میں بسی ہے اور اب یہ دوسری ملاقات شعور کے ساتھ ہو رہی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس ویرانے میں پہاڑوں کے درمیان بندہ محسوس کرتا ہے کہ جیسے اس کی رب سے ملاقات ہوئی ہو، تبھی تو اس کی بے چینی دُور ہوتی ہے، روح کو سکون و قرار ملتا ہے کیونکہ انسان اصلاً روحانی وجود ہے، گو کہ جسم بھی ساتھ لگا ہوا ہے۔ جب انسان کی موت واقع ہوتی ہے تب انسان اس حقیقت کا اظہار کرتا ہے، کہہ رہا ہوتا ہے: انا للّٰہ وانا الیہ رٰجعون، ہم اللہ ہی کے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ کیا چیز اللہ کی طرف پلٹ گئی؟ یقیناً وہ 'روح' ہی تو ہے۔ جسم تو موجود رہتا ہے لیکن بے قیمت اور بے وقعت ہو جاتا ہے۔ لوگ اس جسم کو مٹی میں دفن کرنے کی جلدی کرتے ہیں، گویا خاک کے پیکر کو خاک میں ملا دینے کی جلدی۔ اس لیے کہ روح نکلنے کے بعد جو کچھ بچتا ہے وہ مٹی میں ملانے ہی کے لائق ہے۔ اصل قیمتی چیز روح تو رخصت ہوگئی جس کی وجہ سے اس جسم کی قیمت بھی تھی اور اِس عارضی دنیا میں مقام بھی تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ دنیا کی چکاچوند اور عیش کدوں میں وہ سکون نہیں جو عرفات کے میدان، پہاڑوں کے درمیان اس ویرانے میں ہے۔ یہ وہ جگہ ہے جو انسان کی فطرت میں بسی ہوئی ہے اور رب سے ملاقات ہو تو سکون ملنا ہی چاہیے۔ ربانی روح رکھنے والی مخلوق اپنے رب کے حضور حاضر ہو تو چین اور اطمینان تو ہونا ہی چاہیے۔ لیکن یہ کیا کہ آنسو بہتے ہیں، گریہ طاری ہوتا ہے۔ آخر کیوں؟

احادیث میں آتا ہے کہ ''جب بندے پر اللہ کا کوئی فرشتہ نازل ہوتا ہے تو انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، دل میں رقت طاری ہوتی ہے، آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے ہیں''۔ یہ کیفیت تو فرشتوں سے ملاقات پر ہوتی ہے۔ لیکن اس رقت اور آنسوؤں میں کتنا سکون ہوتا ہے، کس قدر

چین ہوتا ہے، اس کا تجربہ بعض لوگوں کو رمضان المبارک کے آخری عشرے میں ہوتا ہے۔ لیکن عرفات میں بہت بڑے پیمانے پر انسانوں کو یہ تجربہ ہوتا ہے۔ آنسو بہہ رہے ہیں لیکن قلب کو طمانیت اور روح کو سکون و قرار ملتا ہے۔ عرفات ہی تو وہ جگہ ہے جہاں رب سے پہلی ملاقات عالمِ ارواح میں ہوئی تھی اور حج کے موقع پر ایک مرتبہ پھر انسان اسی جگہ پہنچ جاتا ہے جو کہ اس کی روح میں رچی بسی ہے۔ کیا کیفیت اور کیسی لذت انسان کو حاصل ہوتی ہے، اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ۔

یہ آنسو خوشی کے ہیں۔ انسان جب بے پناہ خوش ہو یا بہت زیادہ مطمئن ہو تو اس کے آنسو نکل پڑتے ہیں۔ یومِ عرفہ اپنے آپ کو پہچاننے کا، اپنی شناخت کا، خود آگاہی کا، اپنی حقیقت پانے کا دن ہے۔ یہی تو وہ جگہ ہے جہاں رب سے ملاقات ہوئی تھی، قول و قرار ہوا تھا۔ یہ اعلان اور دعویٰ کیا تھا کہ رب اگر کوئی ہے تو وہی ہے جس نے یومِ عرفہ بنایا ہے (شاید کہ وہ ۹ ذی الحج ہی ہو، جب کہ یہ قول و قرار ہوا ہو)۔ عرفات کا میدان ہی وہ مقام ہے، جہاں عالمِ ارواح میں اپنے رب سے ملاقات ہوئی تھی، اور یہی وہ جگہ ہے جہاں عرفہ کے دن رب کے حضور حاضری ہوتی ہے، اور ایک روایت کے مطابق میدانِ حشر بھی میدانِ عرفات ہی ہوگا، یعنی تیسری ملاقات بھی رب سے اسی جگہ پر ہونی ہے۔

عرفات وہ جگہ ہے جہاں رب کو رب ماننے کا اقرار کیا تھا۔ یہ عہد انسان کی فطرت میں ہے۔ حدیث میں ہے: ''ہر پیدا ہونے والا دینِ فطرت، یعنی اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔ پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی یا نصرانی بنا دیتے ہیں'' (بخاری و مسلم)۔ ایک اور حدیث قدسی ہے: ''میں نے اپنے بندوں کو حنیف، یعنی ایک خدا کا ماننے والا پیدا کیا ہے۔ پھر شیطان ان کے پیچھے لگ گیا اور ان کو صحیح راستے سے دُور لے گیا'' (مسلم)۔ لہٰذا اس راستے سے انسان ہٹے گا تو چاہے دنیا کتنی ہی رنگین، خوش نما اور چکا چوند کرنے والی ہی کیوں نہ ہو جائے، سکون اور چین انسانیت کو نہیں مل سکتا۔

یومِ عرفہ کا پیغام یہ ہے کہ اپنی حقیقت سے آگاہ ہو جاؤ۔ وہ رب جو اصلاً انسانوں کا رب ہے اگر اس کی ربوبیت انسانیت میں قائم نہیں ہے تو اس کی ربوبیت کو انسانی دنیا میں قائم کرو۔

یٰٓاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَاَنْذِرْ ۝ وَ رَبَّکَ فَکَبِّرْ (المدثر ۷۴:۱-۳) اے اوڑھ لپیٹ کر لیٹنے والے، اُٹھو اور خبردار کرو۔ اور اپنے رب کی بڑائی کا اعلان کرو۔

آیئے، مل کر عہد کریں!

ڈاکٹر رخسانہ جبیں°

اللہ کی طرف سے اور آپ کی آرا کی روشنی میں میرے ناتواں کندھوں پر ایک بھاری ذمہ داری ڈال دی گئی ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ میں بہت ناتواں ہوں، کمزور ہوں لیکن میں نے یہ ذمہ داری اللہ کے بھروسے پر اٹھالی ہے۔اس موقع پر مجھے حضرت علیؓ کا قول یاد آیا: ''اگرچہ میری ٹانگیں پتلی ہیں، میری آنکھیں خراب ہیں لیکن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت کے لیے حاضر ہوں''۔

یاد کیجیے وہ وقت جب مکہ میں مسلمان مغلوب تھے، ان پر ظلم ڈھائے جارہے تھے اور انھیں انگاروں پر لٹایا جارہا تھا۔ اللہ کا نام لینا انگارہ ہاتھ میں لینے کے مترادف تھا۔ اذیتیں دی جاتی تھیں، ترغیبات دی جاتیں، گھروں سے نکالا جاتا، گویا زمین ان پر تنگ کردی گئی تھی۔ دین غریب (اجنبی) تھا، نصرت کرنے والے کم تھے مگر مضبوط تھے۔ ان کا ایمان و یقین اور بھروسا اللہ پر تھا۔ ان کی چربی پگھل کر آگ کے انگارے ٹھنڈے کردیتی لیکن وہ 'احد، احد' پکارتے رہتے۔ ان کے جسم نیزوں سے چھلنی کردیے جاتے لیکن وہ لا الٰہ الا اللہ کا ورد کرتے رہتے، دین سیکھتے سکھاتے اور دین کی نصرت کرتے رہتے۔ کوئی چیز راہ کی رکاوٹ نہ بنی، نہ گھر، نہ رشتہ دار، نہ اولاد، نہ کاروبار، نہ ملازمت۔ اگر گھر اور خاندان رکاوٹ بنا تو ہجرت کی راہ اپنائی۔ مال و دولت رکاوٹ بنے تو مصعب بن عمیرؓ کی طرح وہ کپڑے بھی اُتار کر رکھ دیے جو اس کے مرہونِ منت تھے اور ایک

° قیمہ، حلقہ خواتین جماعت اسلامی پاکستان

ٹاٹ لپیٹ کر درِنبویؐ پر حاضر ہوگئے۔ نہ ماں کی محبت بیڑیاں ڈال سکی، نہ آرام و آسایش، نہ قبیلہ، نہ برادری، نہ عورت ہونا مسئلہ بنا اور نہ بچہ ہونا۔ جب انھوں نے کہا کہ نحن انصار اللّٰہ تو انصار اللّٰہ بن کر دکھایا۔ انھوں نے ثابت کردیا: وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (البقرہ ۲:۱۶۵) ''ایمان رکھنے والے لوگ سب سے بڑھ کر اللّٰہ کو محبوب رکھتے ہیں''۔

آج دین اسلام پھر غریب ہے، خواہ کلمے کے نام پر حاصل کردہ پاکستان میں ہے یا ارضِ فلسطین میں۔ کشمیر، افغانستان، وزیرستان ہو یا سوات، ہر جگہ مسلمان پر دہشت گردی کا لیبل لگا ہے۔ آج کشمیر، ابوغریب اور گوانتاناموکے عقوبت خانے پھر سے مکہ کی گلیوں کی یاد تازہ کر رہے ہیں۔

ادھر دین کے نام لیواؤں کو وَھن (دنیا کی محبت اور موت کا خوف) لگ چکا ہے، خواہ لاہور میں ہوں یا جدہ یا دبئی میں جہاں دولت اور آسایشوں کی ریل پیل ہے، نیز دنیا کی دوڑ اور مادہ پرستی نے بھی دین کو غریب کردیا ہے۔ دوسری جانب دین اگر دیہات میں ہے تو جہالت نے اسے غربت میں مبتلا کردیا ہے۔ اکثریت شیطان کے جال اور فریب میں گرفتار ہوچکی ہے۔ عورتوں کی بڑی تعداد بھی اپنی ذمہ داریاں فراموش کرچکی ہے۔

ان حالات میں بڑی بشارت ہے اُن خواتین و حضرات کے لیے جو اللّٰہ کے دین کی غربت کو دُور کرنے کے لیے اُٹھ کھڑے ہوں۔ ان کے لیے جنت کی خوش خبری ہے (فطوبٰی لِلغرباء)۔ اسی جنت کی طلب میں مجھے حضرت علیؓ کا قول یاد آیا اور مجھ جیسی ناتواں نے اس بھاری ذمہ داری کو قبول کرنے کا عہد کرلیا کہ اس دین کی غربت دُور کرنے کے لیے میں حاضر ہوں، اگرچہ میں کمزور ہوں مگر میرا بھروسا جس ذات پر ہے وہ حی و قیوم ہے، وہ علٰی کل شئ قدیر ہے۔ جب وہ دست و بازو بن جاتا ہے تو ساری کمزوریاں قوت میں بدل جاتی ہیں، راستے آسان ہوجاتے ہیں، طوفانوں کے رخ بدل جاتے ہیں، ۳۱۳ ایک ہزار کو شکست دے دیتے ہیں اور ہزار لاکھوں پر غالب آجاتے ہیں۔ کیا میں درست کہہ رہی ہوں؟

آیئے ہم سب مل کر عہد کریں کہ ہم اس دین کی غربت کو دُور کرنے کے لیے اپنا تن من دھن لگائیں گے اور کوئی مجبوری، کوئی عذر ہماری راہ کی رکاوٹ نہ بنے گا۔ آیئے! میرے ساتھ مل کر کہیے:

لبيك اللهم لبيك، لبيك اللهم لبيك...... میں حاضر ہوں اے میرے اللہ، میں حاضر ہوں اے میرے اللہ! لیکن یہ یاد رکھیے، محض منہ سے لبیک کہہ دینے سے اللہ راضی نہیں ہو جاتا، محض نعرۂ تکبیر لگا لینے سے زمین پر اللہ کی کبریائی نافذ نہیں ہو جاتی:

> کیا تم لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ یونہی چھوڑ دیے جاؤ گے حالانکہ ابھی اللہ نے یہ تو دیکھا ہی نہیں کہ تم میں سے کون وہ لوگ ہیں جنھوں نے (اس کی راہ میں) جاں فشانی کی اور اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین کے سوا کسی کو جگری دوست نہ بنایا۔ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔(التوبہ ۹:۱۶)

> پھر کیا تم لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ یوں ہی جنت کا داخلہ تمھیں مل جائے گا، حالانکہ ابھی تم پر وہ سب کچھ نہیں گزرا ہے جو تم سے پہلے ایمان لانے والوں پر گزر چکا ہے۔ ان پر سختیاں گزریں، مصیبتیں آئیں، ہلا مارے گئے، حتیٰ کہ وقت کا رسول اور اس کے ساتھ اہلِ ایمان چیخ اُٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی؟ (اُس وقت انھیں تسلی دی گئی کہ) ہاں اللہ کی مدد قریب ہے۔(البقرہ ۲:۲۱۴)

جہاد شرط ہے، اَن تھک کوشش شرط ہے، آزمایش لازم ہے اور جہاد بالنفس سب سے پہلا جہاد ہے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

> اے لوگو، جو ایمان لائے ہو! تم کیوں وہ بات کہتے ہو جو کرتے نہیں؟ اللہ کے نزدیک یہ سخت ناپسندیدہ حرکت ہے کہ تم کہو وہ بات جو کرتے نہیں۔ اللہ کو تو پسند وہ لوگ ہیں جو اس کی راہ میں اس طرح صف بستہ ہو کر لڑتے ہیں گویا کہ وہ ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔(الصف ۶۱:۲تا۴)

یاد رکھیں اپنے آپ کو مثالی، باکردار مسلمان تحریکی خاتون بنانا ہماری اوّلین ترجیح ہونی چاہیے۔ قرآن ایک چراغ ہے، ایک حرارت ہے جو ایک فرد سے دوسرے فرد کو منتقل ہوتی ہے۔ لیکن اگر قرآن کی دعوت دینے والا خود ہی بے عمل ہو تو یہ چنگاری دوسرے فرد تک پہنچنے سے پہلے بجھ جاتی ہے، تبلیغ بے اثر ہو جاتی ہے۔ لہٰذا قرآن کی تعلیم کا نفاذ سب سے پہلے اپنے اُوپر کرنا ہے۔ مجھے اور آپ کو یہ عہد کرنا ہے کہ اے اللہ! میں تیرے دین پر عمل کروں گی۔ میں دین میں

پوری کی پوری داخل ہوجاؤں گی، ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّةً (البقرہ ۲: ۲۰۸) کی مثال بنوں گی۔ میرا اخلاق، میرا کردار، میرا عمل وہ ہوگا جو تجھے پسند ہے۔ میں جھوٹ نہ بولوں گی، غیبت نہ کروں گی، گناہ نہ کروں گی اور بے حیائی کے کام کی مرتکب نہ ہوں گی۔

ہم جو لباس پہنتے ہیں، ہمارے دین نے اس کے بارے میں بھی ہدایات دی ہیں۔ آیئے، عہد کریں: میرا لباس وہ ہوگا جو میرے اللہ اور میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پسند ہے۔ میرا لباس تقویٰ کا لباس ہوگا۔ میرا گھر اسلامی تہذیب کا نمونہ ہوگا۔ میرے بچے مجاہد بنیں گے، اداکار اور گلوکار نہیں بنیں گے۔ میرا کوئی بچہ بے نمازی نہ ہوگا، اللہ کا نافرمان نہ ہوگا۔ میرے اہلِ خاندان اللہ کے دین کے راہی بنیں گے۔ میرے محلے میں میرا گھر روشنی کا مینار اور درسِ قرآن کا مرکز ہوگا۔ میری صلاحیتیں، میرے اوقات دین کی اقامت اور سربلندی میں لگیں گے۔ کوئی عذر میری راہ میں رکاوٹ نہ بنے گا۔ اپنی زندگی، اپنے گھر میں اسلامی انقلاب میری ابتدا اور دنیا میں اللہ کے دین کا نفاذ میری انتہا ہوں گے ___ بولیں: اتفاق ہے؟ عہد ہے؟ ان شاء اللہ!

تمام ارکان و کارکنانِ جماعت اسلامی پاکستان کو روشنی کا چراغ بننا ہے، مثال بننا ہے اور جماعت اسلامی پاکستان حلقۂ خواتین کو خواتینِ اسلام کا ہراول دستہ بنانا ہے۔ یاد رکھیں کوئی نظم، ناظمہ اور تنظیم اُس وقت تک مؤثر نہیں ہوتی جب تک ارکان و کارکنان اس کے دست و بازو نہ بنیں۔ لہٰذا نظم کی پکار پر لبیک کہیں، معذرتیں کرنے والے نہ بنیں۔ اپنے اندر جہاد فی سبیل اللہ کے لیے قوت پیدا کریں۔ وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ (البقرہ ۲:۴۵) ''صبر اور نماز سے مدد لو''۔

عبادات کو عادت بننے سے بچائیں۔ نماز ایسی ہو کہ آنکھیں ٹھنڈی ہوجائیں۔ قرآن اس طرح پڑھیں کہ دلوں کے زنگ دُور ہوجائیں اور آنکھیں خشیتِ الٰہی سے بھرآئیں۔ روزہ ایسا ہو کہ تقویٰ حاصل ہوجائے۔ قرآن کا علم حاصل کریں۔ جتنا حصہ پڑھیں اس میں سے عمل کے لیے اصول نکالیں اور عمل پیدا ہوجائیں۔ چھوٹے گناہوں سے بھی بچیں۔ شریعت کے دائرے کے اندر رہ کر دین کا کام کریں۔ ڈرائیور کے ساتھ تنہا لمبا سفر نہ کریں۔ محرم کے بغیر رات کے سفر سے حتی الامکان گریز کریں، اِلّا یہ کہ بڑے گروپ کی صورت میں ہو۔

اپنی زندگی کو سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب تر کریں۔ تمام معمولات مسنون

طریقے سے ادا کرنے کی کوشش کریں۔ زندگی میں آسایشوں اور مادیت کی دوڑ سے خود کو بچانے کی حتی الامکان کوشش کریں۔ سادگی اپنائیں، اپنے شوہر کی خدمت کریں، بچوں کو اسلام کا ہراول دستہ بنائیں۔ گلی محلے میں قرآن کی دعوت اور قرآن کی کلاسوں کا جال بچھا دیں۔ یہ سب کر کے بھی اللہ سے کثرت سے استغفار کریں کیوں کہ اللہ نے دنیا کے سب سے عظیم مومنِ حنیفؐ سے بھی فرمایا:

فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوٰىكُمْ (محمد ۴۷:۱۹) پس اے نبیؐ، خوب جان لو کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے اور معافی مانگو اپنے لیے بھی اور مومن مردوں اور عورتوں کے لیے بھی۔ اللہ تمھاری سرگرمیوں کو خوب جانتا ہے اور تمھارے ٹھکانے سے بھی واقف ہے۔

اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی فرماتے تھے: ''میں دن میں ۷۰ بار استغفار کرتا ہوں''۔ پھر اپنے رب سے استعانت کی دعا کریں، دعا قبول ہوگی۔ ان شاء اللہ!

آیئے پھر دعا کریں: اے اللہ! ہم حاضر ہیں، ہماری نصرت فرما! ہمیں اچھا مسلمان بنا، ہمیں مثالی مائیں بنا، ہمیں مثالی تحریکی خواتین بنا اور ہماری کمزوریوں سے درگزر فرما۔ آمین!

(اجتماع عام اکتوبر ۲۰۰۸ء میں حلف برداری کے بعد خطاب)

ستمبر، اکتوبر، نومبر ۲۰۰۸ء میں ہمارے قارئین نے ترجمان القرآن کا پیغام اپنے حلقۂ تعارف میں ملک کے پڑھے لکھے ایک لاکھ حضرات و خواتین تک خصوصی گفٹ لفافے میں پہنچایا ہے۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی مساعی کو قبول فرمائے، اجر سے نوازے، اور جن کو بھی یہ رسالہ ملا ہے، ان کے دل میں اس کے باقاعدہ مطالعے کا شوق ڈال دے اور وہ پانچ سالہ/ سالانہ خریدار بنیں۔ بلاشبہہ انسانوں کے قلوب اللہ تعالیٰ کی انگلیوں کے درمیان ہیں۔ (ادارہ)

اسلامی فکر وثقافت کی قرآنی بنیادیں:

تزکیہ و تدبر

ڈاکٹر انیس احمد

قرآن کریم انسان کو دعوتِ فکر دیتے وقت یہ بات واضح کر دیتا ہے کہ انسان کو مکمل آزادیٔ فکر کے ساتھ ایک سے زائد راستے اور طرق اپنانے کا اختیار عطا کیا گیا ہے (وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ۝ البلد ۹۰:۱۰ ''دونوں نمایاں راستے اسے دکھا دیے'') لیکن یہ فیصلہ وہ کس طرح کرے؟ کیا محض اپنے آبا و اجداد کی اندھی پیروی کو رہنما اصول بنائے یا محض منطق اور مشاہدے کو، یا مشاہدے کے ساتھ اس بات پر بھی غور کرے کہ عقل کی وسعت و محدودیت کتنی ہے؟ مشاہدے کی حدود کہاں تک ہیں؟ رہوارِ فکر کہاں تک جا سکتا ہے؟ اور اس پورے فکری عمل میں کسی معروضی معیارِ حق و باطل کا کیا مقام ہے؟ اسلامی فکر و ثقافت کا یہی پہلو، جسے ہم کلیت پسند تصور کہہ سکتے ہیں، اسے دیگر فکری اور ثقافتی روایتوں سے ممتاز کرتا ہے۔

چنانچہ دعوتِ فکر کو تذکرہ و تذکیر کے ساتھ یک جا کرتے ہوئے قرآن کریم انسان کو ایک تیسری بنیاد کی طرف متوجہ کرتا ہے اور خود ہی اس کی تعریف بھی فراہم کر دیتا ہے۔ فکر و ذکر کا عمل انسان کی عقل اور قلب کو ایک ایسے طرزِ عمل اور رویے (attitude) کی طرف لے جاتا ہے جس میں عقل و قلب ایک دوسرے کی ضد بن کر نہیں، بلکہ ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر جائزہ، تنقید، تفکر اور تصفیہ کا عمل اختیار کرتے ہیں، چنانچہ تزکیہ نہ محض قلب کی صفائی تک محدود رہتا ہے اور نہ تدبر محض ہی منطقی اور کلامی بحثوں میں مقید ہوتا ہے بلکہ دونوں مل کر ثقافت کی بنیاد بن جاتے ہیں

اور ذکر و فکر فطری طور پر ایک شخص کو اپنے مشاہدات، احساسات، آرزوؤں، خواہشات، وقت، مال، صحت، صلاحیت غرض ہر ہر انسانی عمل کے تزکیے اور مطلوبہ اعمال کے مقاصد و اہداف پر غور و تدبر کرنے کی طرف آمادہ کر دیتے ہیں۔ یہ ثقافت چند ظاہری، بصری اور صوتی اعمال کا نام نہیں ہے بلکہ ہر وہ شے جس کا تعلق بصری، صوتی، احساساتی معاملات سے ہو، ثقافت اسے ایک معنی دینے کے بعد فکر و ذکر کی بنیاد توحید سے وابستہ و پیوستہ کر دیتی ہے اور ایک شاعر ہو یا ادیب، مصور ہو یا صاحبِ فن نقاش، حرفت کار ہو یا معمار، اس کے تیشے کی ہر ضرب اور قلم کی ہر جنبش توحید کی بنیاد پر فکر و ذکر اور تزکیے کے عمل سے گزرنے کے بعد عالمِ شہود میں آتی ہے۔

قرآن کریم نے تزکیے کو ایک شعوری اور ارادی عمل کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔ سورۂ شمس اور الاعلیٰ میں واضح الفاظ میں غیر مبہم طور پر یہ بات فرمائی گئی ہے کہ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا۝ (الشمس ۹۱:۹) ''یقیناً فلاح پا گیا وہ جس نے نفس کا تزکیہ کیا''۔ اسی بات کو سورۃ الاعلیٰ میں تزکیے کے ظاہری اور عملی پہلو کے ساتھ وابستہ کرتے ہوئے یوں فرمایا گیا: ''فلاح پا گیا وہ جس نے تزکیہ کیا اور اپنے رب کا نام یاد کیا۔ پھر صلوٰۃ ادا کی'' (الاعلیٰ ۸۷:۱۴-۱۵)۔ قرآن کریم نے یہاں تزکیے کے عمل کو آزاد نہیں چھوڑ دیا بلکہ اسے اللہ کے نام کی یاد اور اس ذکر کی بہترین شکل قیام، رکوع و سجود کا بیان کرنے کے ذریعے قرآن کے طالب علم کے ان سوالات کا جواب بھی فراہم کر دیا جو تزکیے کی اصطلاح پڑھنے اور سننے کے بعد ذہن میں اُبھر سکتے ہیں، یعنی کیا یہ آنکھیں بند کر کے کسی گوشے میں ہفتوں اور برسوں بیٹھنے کا نام ہے یا کسی جنگل بیابان میں معاشرتی زندگی سے دُور جا کر اپنے قلب و نظر کو مجلّا و مصفّا کرنے کا نام ہے۔ یا زندگی کے ہنگاموں، بازار کی معاشی سرگرمیوں اور سیاست کی شطرنج میں الجھنے کے باوجود سیاسی، معاشی، معاشرتی معاملات میں رب کریم کی رضا و خوشنودی کے کام اختیار کرنے اور اپنے سر اور جسم کو نہیں بلکہ عقلی وجود کو، قلبی خواہشات کو، نظر کی حسرتوں اور تڑپتی خواہشوں کو ربِ کریم کی رضا کا پابند کر دینے، اس کے حضور اپنے پورے وجود کو عاجزی اور طلب کے ساتھ ساتھ اُس ایک سجدے میں گرا دینے کا نام ہے جو اسے تمام غلامیوں سے آزاد کر کے نفس کو اُس کے اعلیٰ مقام سے آگاہ کر دے۔

تزکیے کا یہ وہ عملی اور محسوس پہلو ہے جو اس کے معیار کا تعین کرنے میں مددگار ثابت ہوتا

ہے۔ وہ تزکیہ اور خشیت اور تقویٰ جو فرائض واجبات، سنن اور نوافل کی شکل میں اپنے آپ کو نہ ڈھال سکے ایک فکرِ آوارہ تو ہوسکتا ہے، قرآن کا مطلوب تزکیہ نہیں ہوسکتا۔ قرآن جس تزکیے کے ذریعے ایک ثقافت و تہذیب پیدا کرنا چاہتا ہے، اس میں اللہ کی خشیت، اس کی توحید، بہترین ناموں کے ساتھ اس کا ذکر، جو تسبیح کے دانوں کی محدودیت سے نکل کر اس کی بارگاہ میں قیام وقعود اور رکوع و سجود میں ڈھل جاتا ہے۔ یہ رکوع و سجود چند خاص اوقات میں نہیں بلکہ زندگی کے ہر فیصلہ کن معاملے میں ہوتے ہیں۔ جب ایک فرد یا ایک سربراہ یا ایک قوم اپنے مالی معاملات میں سودی نظام کے آگے سجدہ کرتی ہے اور اس سے نرم یا گرم سودی کاروبار کے لیے قدم آگے بڑھاتی ہے تو تسبیح کے دانوں پر اسماے حسنٰی کی گردش اپنا مفہوم کھو دیتی ہے۔ جب ایک سربراہِ مملکت مسلمانوں کی نرم شبیہہ کی تمنا میں مسلمانوں کو نرم نوالہ بنا کر پیش کرنے میں فخر محسوس کرتا ہے تو یہ عمل اس کے قولی دعووں کی تردید کر دیتا ہے اور اعلان کرتا ہے کہ وہ اللہ کی خشیت سے نہیں، کسی نام نہاد یک قطبی قوت کی ہیبت و رعونت سے لرزہ براندام ہے۔

تزکیہ کوئی غیر محسوس و غیر مرئی عمل نہیں ہے بلکہ قرآن اسے ان تمام اعمال سے وابستہ کرتا ہے جو انسان کی انتہائی ذاتی کیفیات سے وابستہ ہوں مثلاً قیام اللیل، یا اس کے معاشرتی وظائف سے تعلق رکھتے ہوں مثلاً والدین کے حقوق، بیوی بچوں کے حقوق، اولاد کی صحیح اسلامی تربیت یا بین الاقوامی معاملات میں معاہدوں اور پالیسیوں کا تعین۔

یہی وجہ ہے کہ تزکیے کی اصطلاح کو قرآن کریم نے تزکیۂ مال کے ساتھ بیان کرنے کے بعد ان تمام شکوک و شبہات کا ازالہ کر دیا جو دین و دنیا، عالمِ قلب اور مادی عالم کے درمیان مصنوعی طور پر ذہنوں اور قوموں کے خون میں سرایت کر گئے ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے: خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ (التوبة ۹:۱۰۳) ”اے نبیؐ! تم ان کے اموال میں سے صدقہ [زکوٰۃ] لے کر انھیں پاک کرو اور (نیکی کی راہ میں) انھیں بڑھاؤ اور ان کے حق میں دعاے رحمت کرو کیوں کہ تمھاری دعا ان کے لیے وجہ تسکین ہوگی، اللہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے“۔

قرآن کریم یہاں جس ثقافت و تہذیب کی بات کر رہا ہے اس میں تین پہلو انتہائی

قابلِ غور ہیں۔ پہلی بات یہ کہ نبی اللہ کے رسول اور مسلمانوں کے فرماں روا ہونے کی حیثیت سے لوگوں کے اموال میں سے زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے ذمہ دار ہے۔ یہ کوئی رضا کارانہ کام نہیں ہے کہ جب چاہا کرلیا بلکہ یہ اس کے فرائض میں شامل ہے اور اس بنا پر مسلم ثقافت میں جو افراد بھی صاحبِ اختیار ہوں گے یہ ان کی ذمہ داری ہوگی۔

دوسری بات یہ واضح ہوکر سامنے آتی ہے کہ حلال کمائی بھی اس وقت تک پاک نہ ہوگی اور نہ بڑھے گی جب تک اس کا تزکیہ نہ کیا جائے۔ گویا قرآنی ثقافت وتہذیب میں غیراخلاقی ذریعے سے حاصل کردہ مال و دولت کے دروازے پر ایک بھاری اور مضبوط قفل لگا دیا جاتا ہے اور ہرشہری کو صرف اخلاقی ذریعے سے مال حاصل کرنے کی اجازت ہوتی ہے۔ یہ سرمایہ دارانہ نظام کی طرح نہ تو سود پر مبنی ہے، نہ اس میں محض منافع کی بنیاد پر عوام کا خون چوسنے یا انھیں ایسے حرام کاموں میں خرچ کرنے کا امکان ہی ہے جو اسلام کے آفاقی اصولِ اخلاق سے متصادم ہوں، مثلاً جوا خانے، ناچ گھر، شراب خانے، ٹی وی کے پردے پر فحاشی کے ذریعے اور فحش اشتہارات کے ذریعے روپے کمانے یا بنکوں میں سودی کاروبار کے ذریعے مال و دولت میں اضافہ۔ جس مال میں سے زکوٰۃ دے کر اس کا تزکیہ کیا جائے گا اس کے خود پاک اور اخلاقی ذریعے سے حاصل کیے جانے کو ایک طرح سے انفرادی، اجتماعی اور سرکاری طور پر ایک شرط قرار دے کر تزکیۂ مال کو قابلِ پیمایش تقویٰ کی شکل دے دی گئی ہے۔

تیسری بات جو وضاحت سے کہی جارہی ہے وہ یہ ہے کہ رسولؐ اور اس کے بعد ریاست اپنے اس فرض کو ادا کرے گی لیکن اس کے ساتھ ساتھ ایسے افراد کے لیے جو مال کا تزکیہ کرنے اور کروانے پر شعوری طور پر آمادہ ہوں، اللہ کے رسولؐ سے کہا جارہا ہے کہ وہ ان کے لیے دعاے رحمت و مغفرت بھی کریں کیونکہ محض اپنے فریضے (زکوٰۃ) کا ادا کردینا شرطِ مغفرت نہیں ہوسکتا۔ اس کے ساتھ اور بہت سے پہلو ایسے ہوسکتے ہیں جو ناقص ہوں لیکن زکوٰۃ کی ادایگی کے ساتھ دعاے مغفرت کے بعد اس کا امکان زیادہ ہوگا کہ رب کریم جو اپنے بندوں سے بے حساب محبت کرتا ہے وہ ان کے تزکیے کے عمل کو قبول کرلے۔ یہ وہ ثقافت ہے جس میں مال کی حرص اور ہوس کی جگہ مال کے جائز طور پر بڑھانے اور اللہ کی راہ میں خرچ کے ذریعے اضافے کی خواہش پروان

چڑھتی ہے جس کی نظیر نہ مادہ پرست تہذیب میں ملتی ہے نہ روحانیت پرست تہذیب میں۔ اسلامی تہذیب و ثقافت وہ واحد ثقافت ہے جو تزکیے کے اس پہلو کو نہاں خانۂ دل سے نکال کر نرم و گرم بازارِ معیشت و سیاست و معاشرت میں لاکر ایک قابلِ عمل اور قابلِ پیمایش (quantifiable) شعوری اور ارادی طرزِ عمل بنا دیتی ہے۔

تزکیے کے اس عمل میں تین ایسے عناصر شامل ہیں جن کی طرف قرآن کریم بار بار متوجہ کرتا ہے۔ چنانچہ فرمایا گیا کہ: هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝ (الجمعة ۶۲:۲) ''وہی ہے جس نے اُمیّوں کے اندر ایک رسولؐ خود انھی میں سے اٹھایا، جو انھیں اُس کی آیات سناتا ہے، ان کی زندگی سنوارتا ہے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے''۔

اس آیت مبارکہ میں بھی تزکیے کے عمل کو تلاوتِ آیات، تعلیمِ کتاب اور تعلیم معرفت و حکمت کے ساتھ بیان کرتے ہوئے قرآن کریم نے اپنی ثقافت کو وحی اور علم و حکمت کے ساتھ یکجا کر کے اُسے ایک خصوصی اور ممتاز روایت بنا دیا ہے۔ گویا یہ وہ ثقافت ہے جس میں انسان خود اپنا رہنما اور ہادی نہیں ہے بلکہ وحی (الکتاب) اُسے رہنمائی فراہم کرتی ہے۔ یہ رہنمائی تفکر و تذکیر اور تزکیے کے عمل کے ذریعے تعلیمی طریق کار پر دی جاتی ہے۔ رسولؐ خود معلم ہونے کی حیثیت سے ایک ثقافتِ علم کی بنیاد رکھتا ہے جس پر ثقافت و تہذیب کی عمارت تعمیر ہوتی ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ رسولؐ اپنے اسوہ اور قابلِ اتباع مثال کے ذریعے ثقافتی اور تہذیبی سرگرمی کے لیے اصول و ضوابط اور خود ایک ایسی زندہ مثال چھوڑ جاتا ہے جو قیامت تک انسانی تہذیب کے لیے قابلِ عمل نمونہ ہو اور جو رفتارِ زمانہ اور روز افزوں معاشرتی ترقی کے باوجود ایک دمکتی ہوئی مثال ہو جس میں اتنی وسعت اور یُسر ہو کہ ہر دور کی مشکلات اور عُسر کو دُور کر سکے۔

تزکیۂ نفس، تزکیۂ وقت، تزکیۂ صلاحیت، تزکیۂ مال، تزکیۂ فکر و نظر کا یہ سفرِ علم و حکمت جس قوتِ محرکہ کی بنا پر ہوتا ہے وہ محض اس دنیا میں ثقافتی اور تہذیبی کمال کا حصول نہیں ہے بلکہ اس کی اصل منزل تہذیبی و ثقافتی ترقی کے ذریعے آخرت کی کامیابی کا حصول ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: وَمَنْ یَّاْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى ۝ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِیْ

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَكّٰى ○ (طٰہٰ ۲۰: ۷۵-۷۶) ''اور جو اُس کے حضور مومن کی حیثیت سے حاضر ہوگا، جس نے نیک عمل کیے ہوں گے، ایسے سب لوگوں کے لیے بلند درجے ہیں، سدابہار باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی، ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ جزا ہے اُس شخص کی جو پاکیزگی (تزکیہ) اختیار کرے''۔

تزکیہ اور اخلاقی عمل گو بذاتِ خود مطلوب عمل ہے لیکن قرآن کریم انسان کے ہر ہر عمل کو آخرت میں اچھے یا بُرے نتائج کے ساتھ وابستہ کردیتا ہے تاکہ اس دنیا میں بعض اوقات مطلوبہ نتائج کے حاصل نہ ہونے کے باوجود معاشرہ اور تہذیب متحرک رہے اور کبھی جمود اور پژمردگی کا شکار نہ ہو اور دنیا میں تہذیبی و ثقافتی جدوجہد ہی انسان کا حقیقی مقصود نہ ہو بلکہ انسان کی ہر ہر کاوش کا آخری نقطہ آخرت میں کامیابی ہی رہے۔

جس طرح قرآن تزکیے کے عمل کو عبادات و معاملات کے ساتھ وابستہ کردیتا ہے، ایسے ہی فکروذکر اور تزکیہ میں الکتاب اور کتابِ فطرت و کائنات سے تعلق کو اسلامی تہذیب و ثقافت کی پہچان قرار دیتا ہے: كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ (صٓ ۳۸:۲۹) ''یہ ایک بڑی برکت والی کتاب ہے جو (اے نبیؐ) ہم نے تمھاری طرف نازل کی ہے تاکہ یہ لوگ اس کی آیات پر غور کریں اور عقل وفکر رکھنے والے اس سے سبق لیں''۔ آیاتِ کتاب پر تدبر کیا جانا اس لیے ضروری ہے تاکہ انسان ان سے اپنے معاملات میں رہنمائی لے سکے۔ انھیں محض ثواب کے لیے تلاوت کرلینا اور مفہوم سے بے خبر رہنا ان کے نزول کا مقصد پورا نہیں کرتا، بلکہ رب العالمین چاہتا ہے کہ اس کتاب کے ایک ایک حرف پر تدبر کیا جائے اور تدبر کے نتیجے میں ایک ایسی تہذیب و ثقافت وجود میں آئے جس کا ہر ہر مظہر اللہ تعالیٰ کی بندگی اور اطاعت کا زبانِ حال سے اظہار کرے۔

تہذیب و ثقافت میں تضادات سے محفوظ رہنے اور صحیح سمت میں آگے بڑھنے کے لیے ضروری ہے کہ الکتاب کی بنیاد پر علوم وفنون کی ترقی کے نئے راستے تلاش کیے جائیں۔ چنانچہ سورہ نساء میں ارشاد ہوتا ہے: اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ وَ لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا○ (النساء ۴:۸۲) ''کیا یہ لوگ قرآن پر غور نہیں کرتے؟ اگر یہ اللہ کے سوا کسی

اور کی طرف سے ہوتا تو اس میں بہت کچھ اختلاف بیانی پائی جاتی''۔ صرف قرآن کریم کا اعجاز ہے کہ ۲۳ سال کے عرصے میں جو کچھ نازل ہوا اس کی ہر آیت دوسری آیت کے ساتھ معنوی حیثیت سے مربوط ہے اور کسی مقام پر تضاد نہیں پایا جاتا۔

جب اس الکتاب کو معاملات کی بنیاد بنایا جائے گا تو وہ معاشی معاملات ہوں یا سیاسی، معاشرتی اور ثقافتی، ان میں آپس میں ٹکراؤ اور تضاد کبھی نہ ہوگا بلکہ منزل و مقصد اور طریق کار کی یک جہتی کے نتیجے میں ترقی کا عمل صحیح سمت اختیار کرے گا۔ مسلم دنیا کا ایک المیہ یہ ہے کہ دیگر مذاہب کی کتب اور مذہبی تعلیمات کے زمان و مکان میں محدود ہونے کے سبب قدامت پرستی اور سائنسی تحقیقات کے ساتھ ٹکراؤ کی بنا پر مشرق و مغرب میں مذہب اور جدیدیت میں جو کش مکش پائی جاتی ہے، اسے اسلام میں تلاش کرتے ہوئے یہ قیاس کرلیا جاتا ہے کہ اسلام بھی مشرقی اور مغربی مذاہب کی طرح ایک 'مذہب' ہے اور چونکہ 'مذہب' مغرب میں ترقی کی راہ میں رکاوٹ رہا ہے اور مشرقی اقوام بھی، چاہے وہ ہندو ہوں یا بدھ پرست ہوں، مذہبی قیود سے نکلے بغیر ترقی نہیں کرسکتیں۔ اس لیے مسلمانوں کو بھی اسلام کو نظرانداز کرتے ہوئے جدیدیت کو اختیار کرنا ہوگا۔ یہ ایک بنیادی فکری غلطی ہے جس کی تردید قرآن کریم کے ہر صفحے پر بار بار تفکر، تعقل، تدبر، تزکیہ اور تفقہ کی متحرک اصطلاحات کے ذریعے کی گئی ہے۔

چنانچہ قرآنی تہذیب و ثقافت میں ماضی کی مفید روایات کی جگہ تبدیلیِ زمانہ کے لحاظ سے اجتہاد کی بنیاد پر مسائل کا حل تلاش کرنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ چونکہ قرآن کریم کے ساتھ مسلمانوں کا تعلق روایتی نوعیت کا بن گیا ہے اس لیے قرآن کریم سے براہِ راست رہنمائی حاصل کیے بغیر سنی سنائی باتوں اور ٹی وی چینلوں کے دریافت کردہ تجدد پسند 'عالم'، 'علامہ' اور 'دانش ور' ایک ایسے اسلام کی تدوین کرنے میں لگ جاتے ہیں جو مغربی ذہن اور مغرب زدہ افراد کے لیے بے ضرر ہو۔

قرآن کریم جس ثقافت و تہذیب کی بنیادیں فکر، ذکر، تزکیے اور تدبر پر رکھتا ہے وہ اپنی جگہ خود ایک مستقل ثقافت اور تہذیب ہے۔ یہ ایک فطری عمل ہے۔ قرآنی ثقافت جہاں کہیں بھی زمین میں اپنی جڑیں پیوستہ کرے گی، وہاں اس زمین میں نمو تو حاصل کرے گی لیکن اس کے بنیادی خدوخال اور شجرطیبہ کی طرح جہاں بھی وہ قائم ہوگی اس کے ثمرات (products) ایک ہی ہوں

گے۔ یہ ثمرات روحانی بھی ہیں اور مادی بھی، معاشی بھی ہیں اور ثقافتی بھی۔ قرآن کریم کے زیرِ سایہ پرورش پانے والی تہذیب و ثقافت بنیادی طور پر توحیدی ثقافت ہے جو زمان و مکاں کی قیود سے ماورا لیکن زمان و مکاں کی ضروریات و مطالبات سے مکمل طور پر آگاہ ثقافت ہے۔ وہ نیل کے ساحل سے جبل الطارق تک اور مراکش سے انڈونیشیا تک تنوع کے باوجود عنصری طور پر ایک وحدانی ثقافت ہے۔

لیکن اگر انسان انجان بن کر یا جان بوجھ کر اپنے قلب پر قفل چڑھا لے تو پھر پہاڑوں کو لرزا دینے والا یہ کلامِ برحق کہ جسے سُن کر بعض پتھر لڑھک کر سجدہ ریز ہو جاتے ہیں اور بعض کا سینہ شق ہو کر ان سے پانی اُبل پڑتا ہے، ایسا کلام بھی ایسے انسانوں کو ہدایت یاب نہیں کر سکتا۔ انھی کو مخاطب کر کے قرآن کہتا ہے: اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُھَا ○ (محمد ۴۷:۲۴) ''کیا ان لوگوں نے قرآن پر تدبر نہیں کیا یا دلوں پر ان کے قفل چڑھے ہوئے ہیں''۔ دلوں کے غلاف ہوں یا کانوں اور آنکھوں پر پڑے ہوئے پردے، جس لمحے بھی انسان تلاشِ حق اور راہِ ہدایت کی طرف ایک قدم بڑھاتا ہے، خالقِ کائنات اس کی طرف دس قدم بڑھتا ہے اور وہی دل جو کل تک شقاوتِ قلبی کی مثال تھے خشیت و رقت سے پُر ہو کر نورِ ہدایت سے معمور ہو جاتے ہیں اور ان کی ہر دھڑکن قرآنی ثقافت و تہذیب کے قیام کے لیے تازہ اور پاک خون فراہم کرنا شروع کر دیتی ہے۔ بَلِ اللّٰہُ یُزَکِّیْ مَنْ یَّشَآءُ (النساء ۴:۴۹) ''مگر اللہ جسے چاہتا ہے پاک کر دیتا ہے''۔

قرآنی ثقافت و تہذیب کی فکری بنیادیں آفاقی ہونے کے ساتھ ساتھ یہ صلاحیت بھی رکھتی ہیں کہ وہ ہر دور میں انقلاباتِ زمانہ کے مطالبات کا عملاً جواب فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ ایک تعلیمی عمل کے ذریعے انسانوں کو اس ثقافت کے فروغ کے لیے صحیح شعور، قوتِ عمل، قوتِ محرکہ (incentive) اور اعتماد فراہم کر سکیں۔ اس تدریجی عمل میں تعلیم و تعلّم، عقل و تعقل اور گہری طبیعی فکر (تفقہ) وہ عناصر ہیں جن کے ایک مناسب امتزاج سے یہ ثقافت و تہذیب اپنا صحیح مقام حاصل کرتی ہے۔ (جاری)

قرطبہ سٹی سے متصل

الاقصیٰ ماڈل ٹاؤن

اسلام آباد
نیوائیرپورٹ کے قریب

ادائیگی کا شیڈول

(یہ قیمتیں 10 دسمبر 2008 تک نافذ العمل ہیں)

رہائشی	پلاٹ سائز	ایڈوانس	ماہانہ قسط	کل قیمت
5 مرلہ	25x50	10,000	2,500	1,88,000
7 مرلہ	30x60	14,000	3,000	2,62,000
10 مرلہ	35x70	20,000	4,000	3,75,000
ایک کنال	50x90	40,000	8,000	7,50,000
کمرشل	(کل قیمت کا)	10%	1,500 روپے فی مرلہ	80,000 روپے فی مرلہ

پلاٹ کی قیمت میں ترقیاتی اخراجات شامل ہیں

نمائندگان کی ضرورت ہے

محل وقوع

- قرطبہ سٹی سے متصل
- اسلام آباد موٹروے چکری انٹرچینج کے ساتھ
- موٹروے چوک اسلام آباد سے 30 منٹ کی مسافت پر
- نیوائیرپورٹ اسلام آباد سے 12 کلومیٹر
- انڈسٹریل ایریا کے نزدیک

سہولیات

مسجد، شاپنگ سنٹر، پانی، بجلی، ٹیلیفون، سکول اور ہسپتال کی سہولت موجود ہوگی

طریقہ کار

درخواست فارم کے ساتھ
شناختی کارڈ کی فوٹو کاپی
دو عدد پاسپورٹ سائز تصاویر، اور منی آرڈر فارم
ہیڈ آفس کے پتے پر ارسال کریں

پے آرڈر، چیک، ڈرافٹ
اکاؤنٹ نمبر 8-7845 برانچ کوڈ نمبر 0624
الائیڈ بینک، آئی اینڈ ٹی سنٹر، سریا چوک
G-8/1 اسلام آباد ارسال کریں

مینیجنگ ڈائریکٹر
رانا محمد افتخار
0321-5179335 / 0312-5179335
0300-9899633 / 0313-986_633

ہیڈ آفس
حذیفہ انٹرنیشنل (پرائیویٹ لمیٹڈ)
موٹروے چوک پشاور روڈ اسلام آباد
فون: 051-2546295

سستے اور جھگڑوں سے پاک پلاٹ مہیا کرنے والا آپ کے اپنے احباب کا با اعتماد ادارہ

احباب ہاؤسنگ سوسائٹی پرائیویٹ لمیٹڈ (قائم شدہ 1986)

کے

مندرجہ ذیل منصوبوں میں محدود تعداد میں موجود پلاٹوں کی بکنگ کا اعلان

★ شاداب کالونی	فیروز پور روڈ لاہور	ترقیاتی کام مکمل، مکانات کی تعمیر تیزی سے شروع
★ گیلانی پارک II	فیروز پور روڈ لاہور	ترقیاتی کام تیزی سے جاری ہیں
★ گلشن احباب فیز II	چندرائے روڈ، لنک فیروز پور روڈ لاہور	ترقیاتی کام مکمل، مکانات کی تعمیر تیزی سے شروع
★ بلال ٹاؤن	چندرائے روڈ، لنک فیروز پور روڈ لاہور	ترقیاتی کام مکمل، مکانات کی تعمیر تیزی سے شروع

ضلع کچہری لاہور سے صرف 18 کلومیٹر کے فاصلے پر

بڑے بڑے ہسپتال، تعلیمی ادارے اور شاپنگ سنٹرز نزدیک تر

قیمت صرف ڈیڑھ لاکھ روپے فی مرلہ جبکہ دوسری سوسائٹیوں میں 3 لاکھ روپے مرلہ فروخت ہو رہا ہے

یکمشت ادائیگی پر 5% رعایت

قسطوں کی سہولت موجود ہے

احباب ہاؤسنگ سوسائٹی پرائیویٹ لمیٹڈ

15۔نظام بلاک، علامہ اقبال ٹاؤن، مین وحدت روڈ، لاہور

فون: 042-5423295 ,042-5418717 فیکس: 042-5427994

ای میل: ahbab@nexlinx.com

QURTABA CREEK VALLEY GWADAR

احباب کی زبردست خواہش پر گوادر میں

قرطبہ کریک ویلی

فیز II



کے نام سے
عظیم الشان
رہائشی و کمرشل
منصوبے کا اعلان

لوکیشن :

سمندر کے کنارے موضع شابی میں چھ منظور شدہ رہائشی سوسائٹیوں کے سنگم میں
جی ڈی اے کی حدود میں گوادر شہر کے درمیان



گوادر ڈویلپمنٹ اتھارٹی سے منظور شدہ این او سی نمبر 76/08/H.S/GDA(B)

قیمت
10 لاکھ روپے
فی کنال
3 سال کی قسطوں میں

چیک/ڈرافٹ بنام
قرطبہ کریک ویلی
فیصل بنک اقبال ٹاؤن برانچ،
اکاؤنٹ نمبر 142-201115-001
کو ارسال کیجیے۔

5 ہزار روپے
فی مرلہ بھیج کر فوری
بکنگ کروائیں

31 دسمبر 2008ء تک بکنگ کروانے والے احباب کو
100,000/- روپے فی کنال کی خصوصی رعایت

سستے اور جھگڑوں سے پاک پلاٹ مہیا کرنے والا آپ کے اپنے احباب کا بااعتماد ادارہ

احباب ڈویلپرز

Marketing Office: Weal House, Faiz Road, Muslim Town Lahore.
Ph: +92-42-5846830, 5846831 Fax: +92-42-5847708, Saudia Office: +966-553868843
Raheel Ahmed: 0300-8422787 - 0300-4007661
Website: qurtabacreekvalley.com Email: info@qurtabacreekvalley.com

مغرب کا حقیقی چہرہ

اے وان رڈلی

طالبان کی قید سے رہائی کے بعد قرآن کا مطالعہ کر کے اسلام قبول کرنے والی برطانوی صحافی اے وان رڈلی کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ وہ جماعت اسلامی کے اجتماع عام (۲۴-۲۶ اکتوبر ۲۰۰۸ء) کے موقع پر لاہور تشریف لائی تھیں۔ انھوں نے ترجمان القرآن کے لیے خصوصی انٹرویو دیا جو پیش کیا جا رہا ہے۔ اس میں کئی موضوعات ہیں اور دیکھنے کی بات یہ ہے کہ ایمان کس طرح نقطۂ نظر تبدیل کر دیتا ہے۔ مغرب کی صاحبِ ایمان عورت ہمارے 'سیکولر' مسلمانوں کو شرم دلا رہی ہے۔ نور اسلم خان نے یہ انٹرویو لیا اور اس کا ترجمہ کیا۔ (ادارہ)

سوال: آپ اس وقت کن کاموں میں مصروف ہیں؟

جواب: میں اس وقت 'دہشت گردی' کے خلاف جاری جنگ کے موضوع پر دو دستاویزی فلمیں بنا رہی ہوں۔ ایک فلم بدنام زمانہ امریکی قید خانے 'گوانتانا مو' پر مبنی ہے جس کا نام ہے Inside Wires۔ اس کے لیے میں امریکی حکومت کی ممنون ہوں کہ جس نے نہ صرف مجھے چار دنوں کے لیے گوانتانا موبے کے اس قید خانے میں جانے کی اجازت دی بلکہ سب سے اہم بات یہ تھی کہ باہر بھی آنے دیا! دوسری دستاویزی فلم میں فلم ساز حسن غنی (پاکستانی نژاد برطانوی صحافی جو برطانیہ میں ایک اسلامی ٹی وی چینل کے ساتھ کام کر رہے ہیں) کے ساتھ بنا رہی ہوں جس کا موضوع ہے: 'قیدی نمبر ۶۵۰' جس کے بارے میں ہمیں یقین ہے کہ وہ ایک پاکستانی عورت ہے جس کو دو سال تک بغیر کسی الزام اور مقدمے کے، بگرام میں رکھا گیا۔ اگر گواہان کی گواہی پر یقین

کیا جائے تو ان کو قید کرنے والے امریکیوں نے قواعد وضوابط کے برعکس نہ صرف ان کی بار بار عصمت دری اور توہین کی، بلکہ ان کے ساتھ مسلسل غیرانسانی سلوک بھی روا رکھا۔ اس قیدی عورت کو بالکل اس طرح کے ماحول میں رکھا گیا جس میں مرد قیدیوں کو رکھا جاتا ہے، ان کو ایسے کھلے بیت الخلا استعمال کرنے پر مجبور کیا گیا جس کو مرد بھی استعمال کرتے رہے، ایک ایسا بیت الخلا جس میں نہ تو کوئی دروازہ ہوتا تھا اور نہ پردہ کر کے اپنے آپ کو ڈھانکا جاسکے۔ غسل کرنے کے لیے بھی ایک ایسی جگہ دی گئی، جس کے گرد نہ تو کوئی پردہ تھا، اور نہ کوئی پرائیویسی۔ ہم سمجھتے ہیں کہ مسلمان عورت تو کیا، کسی بھی عورت کے ساتھ ایسا رویہ رکھنا انسانیت کی توہین ہے۔ ہم کوشش کر رہے ہیں کہ اس مظلوم عورت کو تلاش کرسکیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ہم یہ بھی جاننے کی کوشش کر رہے ہیں اور امریکیوں سے بھی یہ مطالبہ کر رہے ہیں کہ وہ ہمیں بتائیں کہ دیگر 'جنگجو دشمن خواتین' (جیسا کہ یہ انھیں کہتے ہیں) کو کہاں رکھا گیا ہے؟ کن کن ممالک سے ان کا تعلق ہے؟ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اس طرح کا سلوک صرف پاکستانی خواتین تک محدود نہیں بلکہ مشرق وسطیٰ، افریقہ اور ایشیا کے دوسرے ممالک کی خواتین بھی اس طرح کی صورت حال سے گزر رہی ہیں۔

● آپ نے عیسائیت کو چھوڑ کر اسلام کو اختیار کرنے کا فیصلہ کیا۔ آپ اسلام سے متاثر ہوئیں یا اسلام کے ماننے والوں سے؟

●● میں نے اپنا عقیدہ بدلنے کا فیصلہ اس وقت کیا جب میں نے قرآن کو پڑھا اور سمجھا۔ مسلمانوں کو سمجھنے کا مرحلہ تو اسلام قبول کرنے کے بعد شروع ہوا۔

● کیا آپ سمجھتی ہیں کہ اسلام، مغرب اور اس کے طرز زندگی کے لیے ایک خطرہ ہے؟ اگر نہیں تو اہل مغرب اور ان کی قیادت کے لیے اسلام کے پاس کیا پیغام ہے؟

●● اسلام سے زمین کے کسی بھی حصے کو خطرہ نہیں۔ اسلام نہ صرف یہ کہ خود امن اور آشتی کا مذہب ہے بلکہ یہ ایک ایسا دین ہے جو امن اور برداشت کی تعلیم بھی دیتا ہے، تاہم مسلمان اس قدر بھی امن پسند (pacifist) نہیں۔ لوگ ہم سے یہ توقع نہ رکھیں کہ ایک ایسی صورتحال میں بھی ہم ہاتھ پر ہاتھ دھرے خاموش تماشائی بن کر رہ جائیں جب ہماری سرزمین کی حرمت پامال کی

جا رہی ہو، ہمارے لوگوں پر حملے ہو رہے ہوں، ہمارے بچوں کو گولیوں کا نشانہ بنایا جا رہا ہو، ہماری عورتوں کی عزتیں لوٹی جا رہی ہوں، اور ہمارے مردوں کو امتیازی سلوک کا نشانہ بنایا جا رہا ہو۔ ایسی حالت میں ہم کیسے خاموش رہ سکتے ہیں؟ اسلام ظلم اور ظالم کے مقابلے میں امن کا علَم اٹھانے کی تعلیم بالکل نہیں دیتا۔

آج اگر کسی طرف سے ظلم اور زیادتی ہو رہی ہے تو وہ کسی اور کی جانب سے نہیں بلکہ مغرب کی طرف سے ہو رہی ہے۔ میرے علم میں تو ایسی کوئی بات نہیں کہ مسلمان مغربی ممالک پر حملہ آور ہو رہے ہیں۔ میں یہ بھی نہیں جانتی کہ مسلمان آج کسی مغربی ملک پر قابض ہو چکے ہوں بلکہ اس کے برعکس میں جو کچھ دیکھ رہی ہوں وہ یہ ہے کہ امریکا، برطانیہ اور دیگر مغربی ممالک کی افواج آج عراق پر قابض ہیں، افغانستان پر قابض ہیں۔ آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ مغرب نہ صرف یہ کہ فلسطین پر ہونے والے قبضے کو جائز مان رہا ہے بلکہ قابض کی ہر طرح سے معاونت بھی کر رہا ہے۔ ان حالات میں، میں یہ کیسے مان سکتی ہوں کہ ہمارے دشمن یہ کہنے میں حق بجانب ہو سکتے ہیں کہ اسلام سے مغرب یا ان کی تہذیب اور طرزِ زندگی کو کوئی خطرہ ہے۔ چیچنیا، فلسطین، کشمیر، افغانستان اور اب عراق جیسے علاقوں میں تو کئی سالوں سے جہاد جاری ہے اور پوری دنیا سے مسلمان نوجوانوں کی ایک بہت بڑی تعداد جوق در جوق اس جہاد میں حصہ لینے کے لیے آ رہی ہے۔ میرے علم میں تو یہ بات کبھی نہیں آئی کہ یہ نوجوان نیویارک، برطانیہ یا یورپ پر حملہ کرنے کے لیے کبھی جمع ہوئے ہوں، اس لیے میں سمجھتی ہوں کہ مغرب یا اس کے طرزِ زندگی کو ان جہادیوں سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔

● آپ کے خیال میں عالمِ اسلام کے خلاف مغربی قیادت کی طرف سے جاری الزامات اور زیادتیوں کا سلسلہ کب ختم ہو گا؟

●● میرے خیال میں مغرب کو آج اس بات کی بہت زیادہ ضرورت ہے کہ وہ برداشت اور تحمل کا مطلب سمجھنے کے ساتھ ساتھ اسلام کے بارے میں بھی زیادہ جاننے کی کوشش کرے تاکہ وہ یہ دیکھ سکے کہ اسلام اس کے لیے خطرہ نہیں ہے۔ اگر مغرب کی قیادت اپنے ممالک کی بھلائی اور خیرخواہی کے حوالے سے اپنے ارادوں میں سچی ہوتی، تو وہ یہ ضرور جان لیتے کہ اسلام تو ان کے مقاصد کی تکمیل کے لیے ایک بہت بڑا معاون اور مددگار ہے نہ کہ ایک ایسی چیز جس سے ڈرا

جائے۔ باعمل مسلمان نہ تو شراب پیتے ہیں اور نہ منشیات استعمال کرتے ہیں۔ صحیح مسلمان قانون کی پابندی کرنے والے ہوتے ہیں، وہ بہت مفید اور اعلیٰ شہری ہونے کا ثبوت دیتے ہیں۔ ایک مسلمان اللہ کی خوشنودی کے لیے جتنے بھی کام کرتا ہے وہ سارے کام تو ایک انسان کو کمال (perfection) کی طرف لے کر جانے کا سبب بنتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان دواسازی، قانون، انجینیری اور سائنس کے شعبوں میں کافی نام کما چکے ہیں۔ اگر آپ مغرب کی پیدا کردہ غلط فہمیوں کو ایک طرف رکھ کر تاریخ پر نظر ڈالیں گے تو آپ کو کئی عظیم مسلمان موجد ملیں گے، ان کی عظیم ایجادات ملیں گی اور کئی ایسے سائنسی سنگ میل ملیں گے جن کی بنیاد مسلمانوں نے رکھی۔ بدقسمتی سے مغرب نے ان شعبوں سے متعلق پوری تاریخ نئے سرے سے لکھی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ مغرب کو ریاضی اور سائنس مسلمانوں سے ملی ہے، مغرب میں نظر آنے والی ان عالیشان عمارتوں کی تعمیر کا یہ فن مسلمانوں کے علاقوں سے وہاں پہنچا، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ خود یورپ کے اندر نشاتِ ثانیہ کی جو تحریک اٹھی، اس کی بنیاد مسلمانوں نے رکھی تھی۔

● مغرب کی قیادت کی طرف سے جاری ان زیادتیوں کے جواب میں مسلم دنیا کی طرف سے دو طرح کا رد عمل سامنے آرہا ہے۔ ایک ردعمل حکمران طبقے کی طرف سے ہے جو ان کی ہاں میں ہاں ملا رہے ہیں، اور ایک ان جماعتوں اور گروہوں کی طرف سے ہیں جو گلی محلے کی سطح پر عوام کی نمایندگی کرتے ہیں مگر ان کو ایک پالیسی کے تحت قومی دھارے میں شامل ہونے سے روکا جارہا ہے۔ دونوں کے ردعمل کو آپ کس نظر سے دیکھتے ہیں؟

●● جس کردار کی طرف آپ اشارہ کر رہے ہیں، یہ وہ کردار ہے جو ہم آج عرب حکمرانوں کی شکل میں دیکھ رہے ہیں۔ [اب تو پاکستان کے حکمرانوں نے ان سب کو پیچھے چھوڑ دیا ہے]۔ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے امریکا کے اشاروں پر ناچتے ہوئے، عراق کو پلیٹ میں رکھ کر دشمن کے سامنے پیش کیا۔ یہی وہ لوگ تھے کہ جب لبنان پر کارپٹ (چپے چپے پر) بم باری ہو رہی تھی تو انھوں نے نظریں دوسری جانب پھیر لیں۔ یہی وہ عرب حکمران ہیں کہ جب فلسطین پر حملے ہوتے

ہیں تو یہ اس سے بھی مسلسل چشم پوشی کرتے ہیں۔ یہ عرب حکمران اپنے عوام کی جذبات کی ترجمانی نہیں کرتے، میں کہتی ہوں کہ یہ عوام کی خدمت کا دعویٰ کرتے ہیں، مگر یہ ان کی خدمت کا کوئی طریقہ تو نہیں۔ ان میں اکثریت ان حکمرانوں کی ہے جو مغرب کی حمایت کی وجہ سے اقتدار کی ان ایوانوں میں پہنچے ہیں اور اس کے عوض یہ ان کے اشاروں پر کٹھ پتلیوں کی طرح ناچتے ہیں۔ میں تو یورپ اور امریکا کے اشاروں پر ناچنے والے ان حکمرانوں سے یہ کہنا چاہوں گی اور میری یہ بات ان کو کبھی بہت یاد بھی آئے گی کہ امریکا تو ایک ایسا بے وفا دوست ہے جو بہت جلدی بھول جاتا ہے۔ امریکا تو صدام حسین کا بھی بہت اچھا دوست تھا۔ دیکھو اس کا کیا انجام ہوا؟ (صدام کے دور میں) کُردوں نے بھی امریکا پر بہت زیادہ انحصار کیا، مگر انھیں کیا ملا؟ آج پھر ان کے ساتھ وہی کچھ دوبارہ ہونے والا ہے۔ امریکا نے عراق کے جنوب میں رہنے والے شیعہ مسلمانوں سے بھی وعدہ کیا تھا کہ وہ صدام کے خلاف ان کی مدد کرے گا اور جب وہ بالآخر صدام کے مقابلے میں کھڑے ہوگئے تب انھیں امریکی حمایت اور اسلحے کے لیے ترسنے کے سوا کچھ نہ ملا۔ امریکا کی طرف سے مدد اور اعانت کے وعدے نہ ہوتے تو وہ اس انقلاب اور تبدیلی کے لیے کبھی نہ اٹھتے۔ بہرحال دنیا نے دیکھا کہ امریکا نے ان کے ساتھ بے وفائی کی اور اس سلسلے میں جتنے بھی وعدے کیے تھے نہ صرف اس سے صاف مکر گیا بلکہ اسلحہ دینے سے بھی انکار کر دیا۔ امریکا کے ساتھ دوستی ایک غیر یقینی بات اور سعی لاحاصل کے سوا کچھ نہیں۔ میں مسلمانوں کے ان حکمرانوں سے کہنا چاہوں گی کہ اگر آپ شیطان کے ساتھ ناچنے پر مُصر ہیں تو ذرا ماضی پر نظر ڈال کر پیچھے بھی دیکھ لیں کیونکہ مشہور قول ہے کہ کتے کے ساتھ لپٹنے والے اپنے ساتھ کتے کی جوئیں لے کر اٹھتے ہیں۔ پس یہ عرب حکمران اپنے عوام کی نمایندگی نہیں کرتے۔ یہ محض اپنی خواہشات اور ذات کی ترجمانی کرتے ہیں اور ان کا انجام بھی ماضی کے ڈکٹیٹروں سے مختلف نہیں ہوگا۔ سب کو معلوم ہے کہ آمر رات کو بستر میں آرام کی نیند نہیں سو سکتے۔

میں نے اگست میں کچھ وقت غزہ میں گزارا۔ میں آپ کو یہ بتانا چاہوں گی کہ اگر حماس کل انتخابات میں حصہ لیں تو وہ جیت جائیں گے۔ لوگ ان سے محبت کرتے ہیں۔ کیوں؟ اس لیے کہ آج غزہ میں ایک عام آدمی کو جس تکلیف اور کرب کا سامنا ہے، وہاں کی قیادت بھی اسی درجے کی

تکلیف اور اذیت سے دوچار ہے۔ جن لوگوں نے حماس کو ووٹ دیا تھا، وہ یہ بات سمجھتے ہیں کہ حماس کی قیادت اور ان کا طرزِ زندگی ایک عام آدمی کے طرزِ زندگی سے قطعاً مختلف نہیں۔

یہ بات بھی میرے علم میں آئی کہ آخری شرق اوسط سربراہ کانفرنس میں، جس میں حماس کے وزرا بھی شریک ہونے کے لیے گئے تھے، دیگر عرب ممالک کے وزرا تو ایسے ہوٹلوں میں ٹھیرے جہاں ایک کمرے کا ایک رات کا کرایہ ایک ہزار امریکی ڈالر تھا، جب کہ حماس کے لوگ ایسے ہوٹل میں ٹھیرے جس کے کمرے کا کرایہ صرف ۷۰ امریکی ڈالر تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے لوگوں کی مشکلات سے آگاہ ہیں اور ان مشکلات کو کم کرنے کے لیے حتی المقدور کوشش کر رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان شاء اللہ آیندہ انتخابات میں حماس بھرپور طریقے سے فتح یاب ہوگی۔

● باراک اوباما نے دھمکی دی ہے کہ وہ اقتدار سنبھالنے کے بعد پاکستان کو نشانہ بنائیں گے۔ ہمیں یقین ہے کہ برطانیہ کے عوام اس کھیل کا حصہ نہیں بنیں گے- برطانیہ کی حکومت کو جو اب تک کے پورے کھیل میں امریکا کے اشاروں پر کھیل رہی ہے، آپ ایک برطانوی شہری اور ایک مسلمان کی حیثیت سے پاکستان کے حوالے سے کیا مشورہ دینا چاہیں گی؟

●● میں تو یہ کہوں گی کہ برطانیہ کی قیادت کو اپنے عوام کی رائے کا احترام کرنا چاہیے اور ان کی بات ماننی چاہیے، خاص طور پر ان لوگوں کی جو ان کو اپنے ووٹ کے ذریعے منتخب کرواتے ہیں۔ اب ہماری قیادت لوگوں کی بات سننا چاہے گی یا نہیں، یہ ایک الگ بات ہے، تاہم جہاں تک باراک اوباما اور مکین کا تعلق ہے تو دونوں میں سے کوئی بھی امریکا کا صدر منتخب ہو، میں ان دونوں میں کوئی فرق محسوس نہیں کرتی کیونکہ دونوں ایک ہی سکّے کے دو رخ ہیں۔ میں عام لوگوں کی طرح باراک اوباما کے حوالے سے کسی خوش فہمی کا شکار نہیں۔ پاکستان کے حوالے سے ان کی بیانات کو اگر عملی جامہ پہنایا جاتا ہے تو یہ ایک بہت بڑا سانحہ ہوگا۔ امریکی الیکشن جوں جوں قریب آرہا ہے، حیران کن بات یہ ہے کہ امریکی میڈیا سمیت بی بی سی بھی اس انتظار میں ہے کہ اسامہ بن لادن کب منظرعام پر آتے ہیں اور کس کے پلڑے میں اپنا وزن ڈالتے ہیں اور پھر امریکی عوام اس پر

کس طرح اپنے ردعمل کا اظہار کرتے ہیں۔ میں یہ جان کر حیران ہو جاتی ہوں کہ آپ اپنے صدر کے انتخاب کا فیصلہ ایک ایسے شخص سے کیوں کروانے جا رہے ہیں جو افغانستان کے کسی غار میں چھپا ہوا ہے۔

● آپ کے خیال میں مشرق اور مغرب کے درمیان تہذیبی تصادم کی وجہ سے جو خلیج پیدا ہوئی ہے اس کو پاٹنے اور دونوں تہذیبوں کے درمیان غلط فہمیوں کو دور کرنے کے لیے کون سی حکمت عملی اپنائی جاسکتی ہے؟

●● کون سا تہذیبی تصادم؟ تہذیبی تصادم کے لیے تو دو تہذیب یافتہ ممالک کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسلام تو بلاشبہ ایک تہذیب رکھتا ہے۔ اس کے مقابلے میں امریکا کا اپنے آپ کو تہذیب یافتہ سمجھنا تو دُور کی بات ہے، ان کو تو یہ بھی نہیں معلوم کہ تہذیب یافتہ کس کو کہتے ہیں۔ ان لوگوں نے جگہ جگہ کارپٹ بم باری کی، آزادیوں کو سلب کیا، انسانی حقوق کو پامال کیا۔ بش انتظامیہ نے (جنگ کے قواعد وضوابط پر مبنی) جنیوا کنونشن کو پاؤں تلے روند دیا، انھوں نے بین الاقوامی قوانین کو نظرانداز کیا، وحشت پر مبنی تعذیب کے نت نئے طریقے اختیار کیے اور گوانتانا موبے اس کا ایک کھلا ثبوت ہے۔ انھوں نے جھوٹ بول کر عراق پر ناجائز حملہ کیا جس کے نتیجے میں ۱۰ لاکھ سے زائد بے گناہ عراقی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے اور ۲۰ لاکھ عراقی ملک کے اندر بے گھر ہوئے اور ۲۰ لاکھ ملک سے باہر شام اور اردن کی طرف ہجرت پر مجبور ہوئے۔ اس کو کسی بھی طور پر کامیابی نہیں سمجھا جاسکتا۔ خود امریکا کے اندر ڈیٹریاٹ میں کالے لوگوں کی اوسط عمر (life expectancy) بنگلہ دیش میں رہنے والے لوگوں کی نسبت کم ہے۔ امریکا میں ڈیڑھ کروڑ لوگوں کو صحت کی بنیادی سہولیات میسر نہیں، ۲۰ لاکھ سے زائد امریکی جیلوں میں سڑ رہے ہیں۔ یہ دنیا بھر میں کسی بھی ایک ملک کے اندر جیلوں میں رہنے والی سب سے بڑی تعداد ہے۔ یہ سب نشانیاں کسی تہذیب یافتہ ملک کی تو نہیں۔ صرف ۲۰ فی صد کے قریب یا ۲۰ فی صد سے کم امریکیوں کے پاس پاسپورٹ ہوتے ہیں۔ ایک طرف امریکا کی فوج عراق پر حملے کی تیاری کر رہی تھی، دوسری طرف اس کا صدر (جارج بش) دنیا کے نقشے پر عراق کو تلاش نہیں کر سکا۔ یہی سوال جب عام امریکیوں سے پوچھا گیا تو ۱۰ میں سے

۹ امریکی بھی اس سوال کا جواب نہیں دے سکے۔ سب سے پریشان کن بات تو یہ تھی کہ ۱۰ میں سے ایک امریکی نقشے پر خود اپنے ملک امریکا کو تلاش نہیں کرسکا۔

● مغرب کی سیاسی قیادت پچھلے ۱۰۰ سال سے ایک صہیونی اقلیت کے ہاتھوں میں یرغمال بنی ہوئی ہے، جس کے نتیجے میں آج پوری دنیا تباہی اور بربادی کے دہانے پر پہنچ چکی ہے۔ آپ مغرب کی سیاسی قیادت کو کیا مشورہ دینا پسند کریں گی کہ وہ اس شکنجے سے کیسے باہر آسکتی ہیں؟

●● مغرب اور ان کی قیادت کو بھول جایئے۔ ان لوگوں کو نہ تبدیل ہونا ہے اور نہ کچھ کرنا ہے۔ یہ تبدیلی ہم عوام کو لانی ہے۔ جب عوام رہنمائی کریں گے تو قائدین پیچھے چلیں گے۔ اسرائیل کی طرف سے ہمارے ساتھ بہت بے انصافیاں اور زیادتیاں ہوئی ہیں اور اب تو اسرائیل نے تباہی کے اس راستے کا خود انتخاب کیا ہے جس پر چلتے چلتے اس نے بالآخر خود ہی مٹ جانا ہے۔ اسے بہت جلد ایک حصار میں گھر جانا ہے اور ایک دوسری قوت کے ہاتھوں زمین کے نقشے سے مٹ جانا ہے۔ یہ اپنے آپ کو خود بھی تباہی سے دوچار کرنے والا ہے۔ آپ دیکھ سکتے ہیں کہ ۵۰ ہزار سے زائد غیر قانونی یہودی آبادکاروں کے اشتعال اور غصے کا رخ اب خود اسرائیل کی پولیس اور شہریوں کی طرف مڑ چکا ہے۔ یہ لوگ ان کے قابو سے باہر ہو رہے ہیں اور بالآخر انھوں نے اندر ہی اندر پھٹ جانا ہے۔ مغرب کی قیادت سے کوئی توقع مت رکھیے کہ وہ فلسطین یا مسلمانوں کے لیے کچھ کرے گی۔ تاریخ سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ انھوں نے پہلے بھی کچھ نہیں کیا اور اسرائیل کو روکنے کے معاملے میں بھی بے کار ثابت ہو چکے ہیں۔ ماہ اگست میں میں نے دنیا بھر سے امن کے لیے کام کرنے والے ۴۰ دیگر افراد کے ساتھ مل کر غزہ تک کشتیوں کے ذریعے سفر کیا اور اسرائیل کی جانب سے غزہ کے محاصرے کو توڑ دیا، اور یہی وہ ایک طریقہ ہے کہ پُرامن طور پر اس کام کو تکمیل تک پہنچایا جائے اور اس کے لیے کسی قیادت کا نہ تو انتظار کیا جائے اور نہ ان کی طرف ہمیں دیکھنے کی ضرورت ہے۔ یوں قیادت کو بالآخر ہمارے ساتھ آملنا ہے۔ ہم کو اس موقع سے فائدہ اٹھانا ہے اور قیادت کو ایجنڈا دینا ہے (دنیا کو صہیونیت سے نجات دلانے کا) نہ کہ ان کے ایجنڈے (اسرائیل

کو تحفظ دینے کا) کو آگے لے کر جانا ہے۔

● ایک نو مسلم عورت ہونے کے ناطے ، کیا آپ بتا سکتی ہیں کہ اسلام عورت کو یہ اختیار دیتا ہے کہ وہ اپنی زندگی کی باگ ڈور خود سنبھال کر آزادی سے فیصلے کرے؟ نیز ایک عورت کے لیے اسلام کی دی ہوئی آزادی اور مغرب کی دی ہوئی آزادی ، میں کیا فرق ہے؟

●● میں یہ کہوں گی کہ اسلام ایک عورت کو بہت اختیارات دے سکتا ہے، لیکن اختیار لینے سے پہلے ایک عورت کو علم سے اپنے آپ کو آراستہ کرنا ہوگا۔ اگر ایک عورت یہ چاہے کہ اس کا احترام کیا جائے اور اس کو عزت دی جائے تو ایک مسلمان ہونے کے ناطے اس کو اسلام اور اپنے دین کے حوالے سے کافی معلومات حاصل کرنے کی ضرورت ہوگی۔ ایک دفعہ آپ اپنے رب اور دین کے ساتھ تعلق کو مضبوط کرلیں، اور اسلام کے بارے میں تمام معلومات کو جان لیں ، تب آپ اسلام کے دیے ہوئے تمام اختیارات کا تقاضا کرسکتی ہیں۔ خود قرآن پاک عورتوں کے حقوق کے بارے میں ایک بنیادی دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔ قرآن اس بات کا خواہاں اور منتظر ہے کہ عورتیں اس کا مطالعہ کریں تاکہ اپنے حقوق کے بارے میں جان سکیں۔ میں اس بات کو تسلیم کرتی ہوں کہ مسلم دنیا کے بعض علاقوں میں عورتوں کو دبا کر اور محکوم بنا کر رکھا جاتا ہے۔ اس معاملے کو حل کرنے کے لیے عورتوں کو خود آگے بڑھ کر علم حاصل کرنا چاہیے اور اس کی روشنی میں اپنی ذمہ داریاں سنبھالنی چاہییں۔ ہم لوگوں (یعنی غیر مسلموں) سے یہ توقع نہیں کرسکتے کہ وہ اسلام کو جان لیں گے۔ وہ نہیں جانیں گے جب تک ہم خود اسلام کے بارے میں نہیں جان لیتے۔

میرے لیے جو لوگ زیادہ پریشانی کا باعث بنتے ہیں، وہ ایسے سیکولر (مسلمان) لوگ ہیں جو خود اسلام کے بارے میں کچھ نہیں جانتے لیکن چند آیات پڑھ کر یہ سمجھ لیتے ہیں کہ اب وہ اسلام کے حوالے سے کافی ماہر ہوگئے ہیں۔ میں تو ان خودساختہ مسلمان عورتوں سے بہت عاجز ہوں جو مجھے یہ مشورے دیتی رہتی ہیں کہ مجھے حجاب نہیں پہننا چاہیے۔ جہاں تک حجاب کی بات ہے تو یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کے بارے میں جاننے کے لیے، میں نے ۶ مہینے تک گہری تحقیق کی، ایک

ایک حدیث اور اس کے ذرائع دیکھے، پردے کے حوالے سے قرآن میں حوالے دیکھے، مسلم معاشرے میں تاریخی نقطۂ نگاہ سے پردے کی مثالیں تلاش کیں، مسلمان علما سے بحث کی، اہلِ علم سے بات کی، علم کے متلاشی طلبہ و طالبات سے تبادلۂ خیال کیا تو یہ معلوم ہوا کہ ایک مسلمان عورت کے لیے پردہ لازمی ہے۔ اب نقاب کو پہننا ہے یا نہیں، یہ فیصلہ تو ہر عورت کو خود کرنا ہوگا۔ میں تو ان خواتین کی ذمہ داری لینے سے قاصر ہوں جو اس کو نہ پہننا چاہیں کیونکہ میں نے تو روز آخرت اللہ کو صرف اپنے بارے میں جواب دینا ہے، کسی اور کے بارے میں نہیں۔ اب اگر کوئی خود نہ پہننا چاہے، تو نہ پہنے مگر کم از کم میرے سر سے تو حجاب اتارنے کی کوشش نہ کرے۔

● آج کے دور میں مسلم خاندان کو کن کن چیلنجوں کا سامنا ہے اور اس دورِ جدید میں ان کا کس طرح مقابلہ کیا جاسکتا ہے؟

●● آج خاندان کا یہ ادارہ ایک بہت بڑے خطرے سے دوچار ہے اور یہ ہم سب کے لیے ایک چیلنج ہے۔ بچے آوارہ ہو رہے ہیں۔ میری خواہش ہے کہ والدین خاص طور پر باپ اپنے بچوں کے بارے میں بھی اسی قدر فکرمند رہے جس قدر وہ اپنی بچیوں کی عفت کے لیے پریشان ہوتے ہیں۔ بچوں پر اعتماد کا عنصر بہت اہم ہے اور اس کا ہونا لازمی ہے۔ میں خود بھی ماں ہوں، اور میرے لیے یہ ایک خوفناک بات ہے کہ بچوں میں منشیات کے استعمال میں اضافہ ہو رہا ہے، نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں میں جنسی بے راہ روی میں اضافہ ہو رہا ہے، شراب نوشی میں اضافہ اور تشدد کے رجحان میں حالیہ اضافہ ایک خوفناک حقیقت بنتی جارہی ہے۔ آپ بچوں کو دنیا سے الگ تو نہیں کرسکتے۔ پس بہتر حل یہی ہے کہ ان کو اسلام کے بارے میں بتایا جائے اور اس کے بعد امید کی جاسکتی ہے کہ جب وہ باہر نکلیں گے تو محفوظ رہ سکیں گے۔ ہمیں اپنے بچوں پر اعتماد کرنا پڑے گا۔ اپنی بچی کو محض اس لیے یونی ورسٹی نہ بھیجنا کہ آپ خوف زدہ ہیں یا ان کی عفت کے بارے میں پریشان ہیں، یہ کوئی وجہ نہیں کہ آپ اپنی بچی کو تعلیم کے حصول سے منع کردیں۔ بدقسمتی سے برطانیہ کے اندر اس وقت کئی ایسی مثالیں ہیں جن کا میں حل ڈھونڈنے کی کوشش کر رہی ہوں، جہاں پر والدین نہیں چاہتے کہ ان کی بچیاں یونی ورسٹی جائیں حالانکہ تعلیمی لحاظ سے وہ بہت اعلیٰ کارکردگی دکھا رہی ہیں۔ ان کے والدین خوف زدہ ہیں کہ اگر وہ ان کو گھر سے باہر نکلنے دیں گے تو وہ ایک

بڑے خطرے سے دوچار ہو جائیں گی، لیکن میں یہ بات کہہ چکی ہوں کہ ہمیں اپنی بچیوں پر اعتماد کرنا پڑے گا۔ اس کے علاوہ اچھی شہرت رکھنے والی بہت ساری یونی ورسٹیاں ہیں، جو اسلام کے لیے قوت کا باعث بن سکتی ہیں جہاں پر اسلام کو چاہنے والے یا اسلام سے محبت کرنے والے لوگ اور طلبہ تنظیمیں موجود ہوتی ہیں، یہ بھی ایسے والدین کے لیے غنیمت ہیں کہ وہ اپنے بچوں پر اعتماد کے ساتھ ساتھ اپنے بچوں کے حوالے سے ان پر بھی اعتماد کریں۔

● آپ نے اسلام قبول کرنے کے بعد انسانیت کی وکالت کا علَم اٹھایا اور ان لوگوں کے لیے آواز اٹھائی جن کا کوئی پشتیبان نہیں تھا، آپ نے محمد بن قاسم کی طرح پاکستان کی بیٹی کی آواز پر لبیک کہا اور آج ڈاکٹر عافیہ صدیقی کامقدمہ پوری انسانیت کا مقدمہ بن چکا ہے۔ آج اس مظلوم عورت کا نام انسانیت کے مردہ ضمیر کو جھنجھوڑ رہا ہے۔ کیا آپ فاٹا اور قبائلی علاقوں کی ان خواتین کے لیے بھی آواز اٹھانے کا کوئی ارادہ رکھتی ہیں جن کو امریکا کے ایما پر بم باری کا نشانہ بنا یا گیا اور اب وہ اپنے ملک کے اندر بے گھر ہوکر در بہ در ٹھوکریں کھا رہی ہیں؟

●● جی ہاں میں یہاں پر ڈاکٹر عافیہ صدیقی کا تذکرہ کرنا چاہوں گی، یہ عورت کمال کی عورت ہے، جس نے مشرق اور مغرب کو دیکھا، جس نے اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ وہ اعلیٰ یونی ورسٹی تک پہنچ گئی۔ اس نے بوسٹن یونی ورسٹی میں بھی تعلیم حاصل کی، ایک ایسی عورت جو خود مختار اور قوت والی تھی مگر اُسے 'دہشت گردی' کے خلاف اس جنگ میں بڑی بے دردی کے ساتھ گھسیٹا گیا۔ یہ سب کچھ دیکھ کر میں دوسری مسلمان خواتین کو یہ پیغام دینا چاہوں گی کہ ایک لمحے کے لیے بھی مت سوچنا کہ یہ سب کچھ آپ کے ساتھ نہیں ہوسکتا۔ دہشت گردی کے خلاف جاری یہ جنگ کس قدر خوفناک اور اہداف اور حدود کی قید سے آزاد ہے، جس میں صرف بے گناہ اور معصوموں کو لقمہ اجل بنایا جارہا ہے۔ اس کے بارے میں آپ سب کو اچھی طرح سے معلوم ہونا چاہیے۔

جہاں تک پاکستان کے قبائلی علاقوں میں ہونے والے مظالم کا تعلق ہے، تو چند دن قبل کسی

نے مجھ سے پوچھا کہ پاکستان کے یہ طالبان کہاں سے آئے ہیں؟ میں نے ان کو جواب دیا کہ یہ تو سب امریکا کا کیا دھرا ہے۔ اگر ہم ماضی کا جائزہ لیں تو ۲۰۰۴ء میں امریکا نے وزیرستان میں بم باری کی تھی جس کے نتیجے میں ۱۴ بے گناہ بچے اور خواتین لقمۂ اجل بن گئی تھیں۔ اگلے دن ان سب کا اجتماعی جنازہ تھا جس میں ہزاروں کی تعداد میں وزیرستان کے قبائل شریک تھے۔ امریکا نے اس جنازے پر بھی بم باری کی۔ بس یہی وہ دن تھا جب خون بہانے اور بے گناہوں پر تشدد کرنے کی اس پالیسی کے نتیجے میں پاکستان کے طالبان نے جنم لیا۔ اب باقاعدہ ایک سازش کے تحت امریکا ان علاقوں میں امن کے نام پر پاکستان کی فوج کو بہت ہی گھٹیا طریقے سے استعمال کر رہا ہے اور مجھے یقین ہے کہ اس طرح طاقت کے استعمال سے آپ ان علاقوں میں امن نہیں لا سکتے کیونکہ قبائلی علاقوں میں اگر کسی پر بندوق تان لی جاتی ہے تو وہ بندوق کی نالی دیکھ کر یہ کبھی نہیں سوچتا کہ اب ہتھیار ڈال دینا چاہیے، کیونکہ جہاں تک بندوق کی زبان میں بات کرنے کی بات ہے، یہ ان لوگوں کے لیے کوئی نئی بات نہیں، ان کو بندوق سے کبھی نہیں ڈرایا جا سکتا۔ قبائلی علاقوں میں رہنے والے ان لوگوں سے اپنی بات منوانے کا سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ آپ ان کے ساتھ بیٹھ کر بات کریں، ان کو یہ احساس دلائیں کہ آپ ان کا احترام کر رہے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو پیسے کے ذریعے نہیں خریدا جا سکتا۔ ان لوگوں کے لیے آج اپنی عزت ہی پیسہ بن گیا ہے۔ میں یہ سوچ رہی ہوں کہ یہ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ امریکا کی 'دہشت گردی' کے خلاف اس جنگ کے نتیجے میں آج ایک پاکستانی دوسرے پاکستانی کو مارنے پر تلا ہوا ہے۔ یہ غلط ہے، ایسا نہیں ہونا چاہیے۔

● ہم اسلام کا یہ پیغام دنیا بھر میں پھیلے ہوئے آپ جیسے حق کے متلاشی ہزاروں لاکھوں نوجوان عورتوں اور مردوں تک کیسے پہنچا سکتے ہیں، کہ وہ بھی حق کے ساتھی بن کر، آپ کی طرح کلمۂ حق بلند کرنے میں اپنا کردار ادا کرسکیں؟

●● اپنے آپ کو ہر وقت اسلام کا سفیر اور نمایندہ سمجھ کر۔ ہمیں ہر کام یہ بات پیشِ نظر رکھ کر کرنا چاہیے کہ دنیا ہمیں ایک مسلمان کے طور پر دیکھ رہی ہے، جانچ رہی ہے۔ کسی گلی سے گزرتے ہوئے اگر آپ کوڑا کرکٹ پھینکتے ہیں، تو یہ کسی زید یا بکر جیسے فرد کی غلطی نہیں کہلائے گی

بلکہ اس کو ایک مسلمان کا قصور سمجھا جائے گا۔ ہم سب کو ایک بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ ہم میں سے ہر ایک فرد اسلام کا سفیر ہے اور لوگ ہمیں ہمارے کردار اور رویوں سے جانچیں گے۔ میری دو بہنیں ہیں۔ جب میں نے اسلام قبول کیا، ان میں سے ایک بہت خوف زدہ ہوئی۔ میرے ساتھ رہتے ہوئے اس کو اس حقیقت کا سامنا کرنے میں کافی دقت محسوس ہو رہی تھی کہ میں اب اسلام قبول کر چکی ہوں۔ میری دوسری بہن ۲۰ سال تک ایک ایسے گھر میں رہ چکی تھی، جن کے ہمسائے بہت اچھے اور بہتر مسلمان تھے۔ جب اس کو یہ معلوم ہوا کہ میں اسلام لا چکی ہوں، تو کہنے لگی کوئی بات نہیں، میرے ہمسائے بھی تو مسلمان ہیں اور وہ بہت ہی اچھے لوگ ہے۔ یہی وہ اچھا احساس تھا جس کی وجہ سے اس کو میرے مسلمان ہونے کے باوجود کوئی مسئلہ پیش نہیں آیا۔ اگر ہمارے بچوں کی اچھی تربیت ہوگی اور وہ اچھے اخلاق کا مظاہرہ کریں گے، تو دوسرے لوگ یہی کہیں گے کہ ان مسلمان بچوں کو دیکھیں۔ ہمیں کوشش کرنی چاہیے کہ اسلام اور مسلمان کی پہچان ایک ہو جائے، اچھے رویے، اچھا کردار، کامل شخصیت ہماری پہچان بن جائیں۔

● مسلمان نوجوانوں کے لیے آپ کا کیا پیغام ہے ، بالخصوص ان نوجوانوں کے لیے جو مغرب کی پیروی کو کامیابی کی ضمانت سمجھتے ہیں ؟

●● میرا پیغام یہ ہے کہ آپ کے پاس جو کچھ ہے، اس پر فخر کریں۔ جو تحفہ آپ کو ملا ہے یہ بہت عظیم ہے۔ اللہ نے آپ کو مسلمان کی حیثیت سے پیدا کر کے اسلام کی دولت سے نوازا۔ مجھ سے پوچھیں کہ اسلام کی یہ دولت مجھے کس قدر مشکل سے ملی۔ یاد رکھیں، یہ زندگی اور اس کی منزلیں تو گزر جانے والی ہیں۔ ہم تو صرف مسافر ہیں اور اس سفر کے اختتام پر ہم سب کو احتساب کے ایک مشکل مرحلے سے گزرنا ہے، جس میں اس سفر کے دوران ہر قدم کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ نوجوانوں کے لیے اس زمین پر ۷۰، ۸۰ سال پوری زندگی کہلاتی ہے، مگر ابد کی وہ زندگی اس سے کہیں زیادہ لمبی اور نہ ختم ہونے والی ہے۔ یاد رکھیں سب سے بہتر زندگی وہ ہے جو اللہ کی رسی کو پکڑ کر گزاری جائے۔

ہر کارِ خیر میں پیش پیش

الشیخ عبداللہ المطوعؒ

عبدالغفار عزیز

عبداللہ العلی المُطوَّع (م: ستمبر ۲۰۰۶ء) کو ہم سے رخصت ہوئے ۲ برس ہو چکے ہیں لیکن بعض شخصیات ایسی ہوتی ہیں کہ انھیں گزرے ہوئے خواہ کتنے ہی برس ہوجائیں، ان کا ذکر ہمیشہ تازگی کا احساس اُجاگر کرتا ہے۔ اس کیفیت میں کچھ دخل ذکر کرنے والے کا بھی ہوتا ہے۔ اس مضمون کا مطالعہ کیجیے، اپنی تربیت کا سامان کیجیے اور کرنے کے لیے کچھ سیکھیے۔ (ادارہ)

کویت میں اسلامی تحریک کے بانی عبداللہ العلی المُطوَّع کو پوری دنیا میں ان کی کنیت ابو بدر سے پہچانا جاتا تھا۔ اپنی وفات سے چند ہفتے پہلے انھوں نے ایک خواب میں دیکھا کہ ان کے بڑے بھائی مرحوم عبدالعزیز المطوع اور کویت کے ایک اور بزرگ مرحوم یوسف بن عیسیٰ القناعی سمندر کے کنارے نماز پڑھ رہے ہیں۔ میں دُور سے ان کی طرف جارہا ہوں وہ سلام پھیرتے ہیں اور مجھے پکار کر کہتے ہیں: دُور کیوں ہو، یہ دیکھو یہ تمھارا محل ہے۔ آؤ اور اسے لے لو۔ انھی دنوں انھوں نے ایک اور خواب دیکھا کہ ان کے کچھ مرحوم بزرگ جمع ہیں اور پوچھتے ہیں کہ عبداللہ المطوع نہیں پہنچا؟ جواب میں کوئی کہتا ہے: وہ دیکھو فرشتوں کی ایک بڑی جماعت کے جلو میں آرہا ہے۔

۱۹۲۶ء میں کویت میں پیدا ہونے والے عبداللہ المطوع کو جاننے والے لاکھوں لوگ اس امر پر متفق ہیں کہ پوری دنیا میں کوئی ان کا ثانی نہیں تھا۔ وہ ارب پتی درویش تھے۔ وہ جہاں بھی ہوتے کسی نہ کسی کارِ خیر کی درخواستیں اٹھائے ہوئے ہجوم میں گھرے ہوتے اور کوئی شخص بھی ان کے ہاں سے خالی ہاتھ نہ لوٹتا۔ ان کی وفات کے بعد اکثر کویتی اخبارات نے انھیں 'ہر کارِ خیر کے امیر'

کے لقب سے یاد کیا۔ کویت کے سیاہ و سفید کے مالک حکمران نے اپنے لیے بادشاہ یا صدر کے بجائے امیر کا لقب اختیار کیا ہوا ہے۔ اس تناظر میں کویتی اخبار کی یہ سرخی خصوصی اہمیت کی حامل ہے۔ ان سے انٹرویو کرتے ہوئے ایک بار ایک صحافی نے حیران ہوکر پوچھا: آپ سیاست دان ہیں یا دینی رہنما، تاجر ہیں یا سماجی کارکن......؟ انھوں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا: میں ایک مسلمان انسان ہوں اور مسلمان کی ذات میں یہ سب امور یکجا ہوتے ہیں۔

عبداللہ العلی المطوع کا گھرانہ اُمت کے لیے باعثِ خیر تھا۔ ان کے والد خدا سے ڈرنے والے تاجر تھے۔ ان کے بڑے بھائی عبدالعزیز اپنے والد صاحب کے ساتھ تجارت میں شریک ہوگئے۔ تجارت کی غرض سے وہ اکثر برعظیم پاک و ہند کا سفر بھی کرتے رہتے تھے۔ یہ وہی شخصیت ہے جو سید ابوالاعلیٰ مودودی اور سید حسن البنا شہید کے درمیان اوّلیں رابطے کا ذریعہ بنی۔ وہ یہاں آتے تو ترجمان القرآن اور دیگر ذرائع سے مولانا مرحوم کی تحریروں کا ترجمہ کرواتے اور سامانِ تجارت کے علاوہ یہ تراجم بھی اپنے ساتھ لے جاتے۔ چونکہ وہ 'اخوان المسلمون' کے مرکزی مکتبِ ارشاد کے رکن بھی تھے، اس لیے مولانا کی یہ تحریریں 'اخوان' کی مرکزی قیادت سے لے کر کارکنان تک پہنچ جاتیں اور 'اخوان و جماعت' کے دونوں بانیوں کے درمیان کوئی بالمشافہ ملاقات نہ ہونے کے باوجود اخوت و مودّت کے گہرے تعلقات استوار ہوگئے۔

عبداللہ المطوع نے بھی اپنے برادر بزرگ سے اخوان المسلمون اور اسلامی تحریک سے محبت کی نعمت حاصل کی۔ وہ گاہے بگاہے اخوان کے ذمہ داران اور دیگر علمائے کرام کو اپنے ہاں مدعو کرتے رہتے اور ان کے ذریعے دین کا پیغام عام کرتے۔ ۱۹۴۶ء (۱۳۶۵ھ) میں دونوں بھائی حج کی سعادت حاصل کرنے گئے تو وہاں اُنھیں امام حسن البنا کی رفاقت حاصل رہی۔ مکہ و مدینہ میں ان سے کسبِ فیض کیا۔ مدینہ منورہ میں ان کا تفصیلی خطاب سنا۔ امام البنا نے دونوں بھائیوں کو دو کتابیں بطور ہدیہ دیں۔ ایک تو معروف فرانسیسی مؤلف گستاؤلیبان کی کتاب حضارة العرب (تمدنِ عرب) تھی جس میں اسلام اور اہلِ اسلام کا ذکرِ خیر تھا، اور دوسری الرحلة الحجازیة (حجاز کا سفر) تھی۔ اس پر امام نے اپنے ہاتھ سے لکھا: "اپنے پیارے بھائی جناب عبداللہ العلی کے لیے۔ اللہ کی خاطر محبت اور عظیم دعوتِ اسلامی کی خاطر، حرمین شریفین میں ملاقاتوں کی یاد"۔

● **خدمت و اصلاح**: دعوت کی انفرادی کوششوں کے بعد ۱۹۵۰ء میں جمعیۃ الارشاد الاسلامی کے نام سے کویت میں تحریک اسلامی کی باقاعدہ بنیاد رکھی گئی تو عبدالعزیز المطوع کو اس کا پہلا سربراہ چنا گیا۔ دونوں بھائیوں نے اپنے دیگر ساتھیوں کے ساتھ مل کر کویت اور اہلِ کویت کی خدمت و اصلاح کا باقاعدہ سفر شروع کر دیا۔ تحریکی سفر میں حاصل ہونے والی چند نمایاں کامیابیوں کا ذکر کرتے ہوئے عبداللہ المطوع بتاتے ہیں کہ: ''استعمار نے کویت میں شر کے کئی در کھول دیے تھے، شراب عام تھی۔ ایک انگریز کمپنی 'ایکری مکنزی' یہ کہہ کر کویت میں کھلم کھلا شراب فروخت کرتی تھی کہ یہ غیر ملکیوں، غیر مسلموں، عیسائیوں اور ہندوؤں کے لیے ہے۔ اس طرح وہاں شراب کھلم کھلا فروخت ہوتی تھی اور عملاً کویتی شہریوں کی ایک بڑی تعداد اس کی زد میں آ چکی تھی۔ ہم نے ہزاروں لوگوں سے دستخط حاصل کرتے ہوئے ایک طویل محضرنامہ حکومت کو پیش کیا لیکن اس نے ہماری درخواست پر کان نہ دھرے۔ آزادی کے بعد کویت میں پہلی بار پارلیمنٹ وجود میں آئی۔ یوسف ہاشم الرفاعی وزیر اوقاف تھے۔ انھوں نے ہمیں کہا کہ اگر اس وقت پارلیمنٹ میں شراب کی ممانعت کا بل لے آؤ تو کوئی مخالفت نہیں کر سکے گا۔ تب مصر میں جمال عبدالناصر کے مظالم سے تنگ آ کر 'اخوان' کے ایک ذمہ دار حسن عشماوی کویت آئے ہوئے تھے۔ ہم نے ان کی مدد سے قانونی مسودہ تیار کیا۔ ۱۶ ارکان پارلیمنٹ سے اس پر دستخط لے لیے گئے۔ بل پارلیمنٹ میں پیش ہوا تو ایک رکن کے علاوہ باقی سب نے اس کی تائید کی۔ عبداللہ سالم کویت کے امیر تھے، بل ان کے پاس گیا تو انھوں نے نظرثانی کے لیے پھر پارلیمنٹ کو بھجوا دیا۔ دوبارہ ووٹنگ ہوئی تو نتیجہ پھر بھی وہی تھا۔ اس وقت ممکن تھا کہ امیر پارلیمنٹ معطل کر دے اور شراب کا بل منظور نہ کرے لیکن اسے اچانک بھارت جانا پڑ گیا۔ اس کا بھائی صباح السالم قائم مقام امیر بنا اور اس نے بل پر دستخط کر دیے، شراب ہر جگہ ممنوع ہوگئی۔

ان دنوں یہ افواہ پھیلائی جاتی تھی کہ شراب کی ممانعت سے کویت ایئرلائن کو خسارہ ہوگا کیونکہ شراب کے رسیا شراب نہ ملنے پر اس میں سفر نہیں کریں گے۔ اللہ کا کرنا یہ ہوا کہ جب شراب پر پابندی لگی تو کویت ایئر کے منافعے میں اضافہ ہوگیا۔ یہی عالم خنزیر کے گوشت کا تھا جو یہاں عام تھا۔ کویتی بھی کھلم کھلا اور بے سوچے سمجھے خنزیر کا گوشت کھا رہے تھے۔ ہم نے کچھ ارکان پارلیمنٹ سے اتفاق رائے کے بعد وہاں سوال اٹھایا کہ کویت میں خنزیر کے گوشت کی درآمد پر پابندی کیوں

نہیں لگائی جاتی؟ بحث ہوئی اور بالآخر ممانعت کا قانون منظور ہوگیا۔ اسی طرح یونی ورسٹی میں مخلوط تعلیم پر پابندی اور کئی دیگر اخلاقی برائیوں کا ہمیشہ کے لیے سدباب کیا گیا۔

ایک بار ایک صاحب نے اعلان کیا کہ وہ کویت میں ایک رقص گاہ قائم کریں گے۔ ہم نے اسے روکنے کے لیے مختلف دینی شخصیات کو ساتھ ملا کر امیر کویت عبداللہ السالم کو خط لکھا۔ اس نے نہ صرف ہماری درخواست مسترد کردی بلکہ کہا کہ ہم تو اس طرح کے ہال مدارس کی سطح تک قائم کرنا چاہتے ہیں۔ اس وقت کویت میں سڑکوں کی تعمیر کا کام شروع تھا۔ بلدیہ کے شعبہ شاہرات میں غزہ کا ایک انجینیر کام کرتا تھا۔ ہم نے اس سے جا کر بات کی اور اس فسادگاہ کی سنگینی واضح کی۔ انھوں نے نئی سڑکوں کا نقشہ اس طرح بنا دیا کہ ایک سڑک عین اس جگہ سے گزرتی تھی جہاں رقص گاہ تعمیر ہو رہی تھی۔ وہ ڈھا دی گئی اور پھر یہ معاملہ رفع دفع ہوگیا۔

ابوبدر اور ان کے ساتھیوں کی خدمات صرف ان اخلاقی امور تک ہی محدود نہیں تھیں بلکہ کویت میں اسلامی بنک کاری کا سہرا بھی انھی کے سر ہے۔ شروع میں انھیں اس کی اجازت نہیں ملی تو انھوں نے دبئی کے اسلامی بنک کی تشکیل میں بھرپور حصہ لیا اور پھر بالآخر کویت بھی اس صدقۂ جاریہ کا مضبوط مرکز بن گیا۔

● **نڈر اور بے باک:** اسلامی تحریک کے ابتدائی اور بنیادی ستونوں میں شامل ابوبدر نے کویت کے چھوٹے سے چھوٹے اندرونی مسائل سے لے کر اُمت کے ہر اہم اور فیصلہ کُن مرحلے تک اپنا بھرپور کردار ادا کیا۔ اس ضمن میں انھوں نے کبھی کسی خوف اور اندیشے کو قریب نہیں پھٹکنے دیا۔

جمال عبدالناصر نے اخوان المسلمون کے خلاف ظلم کی تاریخ رقم کی تو ابوبدر گرفتار شدگان کے اہلِ خانہ کی کفالت کرنے لگے۔ اس 'جرم' کا سراغ ملنے پر مصری عدالت نے ابوبدر کو پانچ سال قید اور ۱۵ ہزار مصری پاؤنڈ جرمانے کی سزا سنا دی۔ سب کو اس سزا پر حیرت ہوئی۔ خدشہ تھا کہ مصری حکومت کویتی حکمرانوں سے اپنا ملزم طلب نہ کرلے لیکن جب مصری ریڈیو پر اس فیصلے کی خبر نشر ہوئی تو کویتی امیر صباح السالم نے کہا: ''ہم کبھی انھیں اس تک نہیں پہنچنے دیں گے''۔ ابوبدر کہا کرتے تھے: ''میں شیخ صباح السالم کا یہ موقف کسی صورت فراموش نہیں کرسکتا''۔

● **بامقصد زندگی:** ایک ارب پتی تاجر نے جسے ایک اشارے پر دنیا جہاں کی نعمتیں

اور آسایشیں حاصل ہوسکتی تھیں، اپنی پوری زندگی ایک مقصد اور ہدف سے مربوط رہ کر گزار دی۔ ان کے والد نے بچپن ہی سے انھیں سچائی، ایمان داری، محنت اور حق کا ساتھ دینے کی تعلیم دی تھی۔ عبداللہ المطوع ابھی ۱۶ برس کے تھے کہ ان کے والد نے انھیں اپنے وسیع کاروبار کی ذمہ داریاں سونپنا شروع کر دی تھیں۔ وہ کہتے ہیں کہ والد صاحب تجارتی سفر پر جاتے ہوئے آہنی صندوق کی چابیاں مجھے دے گئے۔ اس زمانے میں ابھی بنک وجود میں نہیں آئے تھے اور تاجر کی چابیاں ہی اس کا اصل خزانہ ہوتی تھیں۔ میرے والد نے یہ ذمہ داری سونپ کر مجھے خوداعتمادی اور ایمان و تقویٰ کی عملی تعلیم دی۔ میرے والد دوسری عالمی جنگ سے پہلے ہندستان اور افریقہ جانے والے بحری جہازوں کے ذریعے تجارت کرتے تھے۔ دوسری عالم گیر جنگ کے دوران میرے والد کا ڈیرا تاجروں کا مرکز بن گیا۔ میری عمر ۱۸ سال تھی جب میں نے ۱۹۴۵ء میں پہلا سفر کیا۔ والد صاحب نے مجھے ہندستان بھیجا اور مجھ پر ان کے اعتماد کا عالم یہ تھا کہ اس عمر میں انھوں نے مجھے ایک لاکھ روپے دیے کہ اس سے سامانِ تجارت خرید لاؤں۔ مجھے یہ رقم ہندستان پہنچ کر ممبئی کے ایک مسلمان تاجر سے وصول ہوئی اور میں نے اپنے والد کے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچائی۔ ۱۹۵۴ء میں، میں چین اور جاپان گیا اور کپڑے کی خریداری کرتے ہوئے ۱۰ لاکھ روپے کا سودا کیا۔ پھر قابلِ تجارت کوئی ایسی چیز نہیں تھی جس میں ہمارا بھرپور حصہ نہ رہا ہو۔

● **کامیاب تجارت کی بنیاد:** ابوبدر اپنی زندگی میں چند بنیادی اصولوں پر حیرت ناک حد تک عمل پیرا تھے۔ ان میں سے سب سے بنیادی تو یہ کہ انھوں نے پوری زندگی سود کے ایک دھیلے کو بھی ہاتھ نہیں لگایا۔ وہ سود کے مخالف ہی نہیں، سخت دشمن تھے۔ سود نہیں سود کا شبہہ بھی ہوتا تو اس کے قریب نہ جاتے۔ ہم ابوبدر کے گھر کھانے پر مدعو تھے کہ ان کے صاحبزادے عبدالالہ نے ایک واقعہ سنایا۔ والد صاحب (ابوبدر) نے ایک روز خواب دیکھا کہ وہ ایک راستے پر جا رہے ہیں۔ سامنے ایک سیاہ پتھر کا بڑا پہاڑ ہے۔ اچانک دیکھتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب ایک دوسرے راستے پر چل رہے ہیں۔ ابوبدر نے پوچھا حضرت حمزہؓ والے راستے تک کیسے پہنچا جا سکتا ہے؟ لوگوں نے بتایا ان تک اس راستے سے نہیں پہنچا جا سکتا۔ ابوبدر نے راستہ تبدیل کر لیا اور حضرت حمزہؓ کے راستے کی طرف چل دیے۔ اسی پر آنکھ کھل گئی۔

کچھ سمجھ نہیں آئی، دفتر گئے اور اپنے سارے تجارتی سودوں کا جائزہ لینے لگے۔ یاد آیا کہ کویت فنانس ہاؤس سے جو یہاں کا اسلامی بنک ہے، سرمایہ کاری کا ایک معاہدہ کیا تھا۔ فون کر کے تفصیل پوچھی تو معلوم ہوا کہ انھوں نے اس معاہدے سے پتھر کے کوئلے کا ایک بڑا سودا کیا ہے اور اس سے بڑا منافع یقینی ہے۔ ابوبدر نے کہا نہیں، میں یہ سودا منسوخ کرنا چاہتا ہوں۔ جواب ملا کہ یہ سود نہیں مرابحت کی بنیاد پر ہے، دونوں کو نفع ہوگا۔ ابوبدر نے کہا میں اس راہ پر مزید ایک قدم بھی نہیں اٹھا سکتا اور سودا منسوخ ہوگیا۔ عبدالالٰہ نے کہا میرے والد فرمایا کرتے تھے: منافع کوئی تاجرانہ چالاکی نہیں یہ سراسر اللہ کی برکت ہے۔ اللہ کو ناراض کر کے کبھی اس کی برکات حاصل نہیں کی جاسکتیں۔ ایک اور موقع پر والد صاحب نے ایک سعودی تاجر سے ایک بڑا سودا کیا۔ ایک پورا بحری جہاز خام مال کا آرہا تھا۔ راستے میں جہاز حادثے کا شکار ہوگیا۔ والد صاحب بہت پریشان ہوئے کہ اس میں ان کے بھائیوں کی ایک بڑی رقم لگی ہوئی تھی۔ سعودی تاجر نے والد صاحب کو تسلی دیتے ہوئے ان سے دریافت کیا: آپ نے اس مال کی زکوٰۃ نکالی تھی؟ والد صاحب نے کہا ہاں، الحمدللہ! انھوں نے کہا کہ پھر نہ ڈرو، اللہ تعالیٰ تمھارے مال کی حفاظت فرمائے گا۔ سفینے تک رسائی ہوئی تو معلوم ہوا کہ اسی جہاز میں کچھ آٹا بھی لاد دیا گیا تھا۔ حادثہ ہوا تو سمندری پانی سے مل کر اس آٹے کی ایک موٹی تہ اُوپر جم گئی اور نیچے سارا خام مال محفوظ رہا۔ ابوبدر نے اس واقعے کے بعد کبھی اپنے سامان کی انشورنس نہیں کروائی کہ زکوٰۃ ہی اصل انشورنس ہے، اللہ حفاظت کرتا ہے۔ ابوبدر ہمیشہ سود کے بارے میں قرآنی آیات دہراتے رہتے، خاص طور پر یہ کہ یَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ (البقرہ ۲:۲۷۶) "اللہ تعالیٰ سود کا مٹھ مار دیتا ہے اور صدقات کو نشوونما دیتا ہے"۔

کویت پر عراق کا قبضہ ہوا تو ہر کویتی شہری کا مستقبل اندیشوں اور خطروں کی نذر ہوگیا۔ کویتی حکومت اور شہریوں کی بڑی تعداد سعودی عرب میں پناہ گزیں ہوئی۔ وہاں کویت کی بازیابی اور کویتی عوام کی مدد کے لیے مختلف کوششوں کا آغاز ہوا۔ دیگر کئی امور کے علاوہ ایک اعلیٰ سطحی مالیاتی کمیٹی بنی۔ ابوبدر کی عدم موجودگی میں کویتی ولی عہد سعد العبداللہ نے انھیں کمیٹی کا سربراہ بنا دیا۔ ابوبدر کو اطلاع دی گئی تو انھوں نے کچھ سوچنے کے بعد کمیٹی کی سربراہی قبول کرنے سے معذرت کرلی۔ وجہ پوچھی گئی تو انھوں نے کہا کہ اس کمیٹی کے سربراہ ہونے کی حیثیت سے مجھے بہت بڑے

بڑے معاملات دیکھنا پڑتے۔ بڑی بڑی امدادی رقوم حکومتوں کی طرف سے بھی آتیں اور بڑے تاجروں کی طرف سے بھی۔ ان میں سے یقیناً کئی رقوم ایسی ہوسکتی تھیں کہ جن میں سود یا کسی سودی کاروبار کی رقم بھی شامل ہو۔ اور میں کبھی سود سے متعلقہ کسی کام میں شامل نہیں ہوا۔ ہاں، البتہ ایک کارکن کی حیثیت سے میں اپنے کویتی بھائیوں کی جو مدد بھی کرسکا ضرور کروں گا۔

● **جذبۂ انفاق**: ابوبدر بہت بڑے تاجر ہونے کے باوجود چھوٹی چھوٹی چیزوں کا بھی بہت خیال رکھتے تھے۔ اگرچہ یہاں ان کی زندگی میں بظاہر ایک بڑا تضاد دکھائی دیتا ہے لیکن حقیقت میں یہ دونوں پہلو بھی اسلامی تعلیمات ہی سے ماخوذ ہیں۔ شیخ احمد القطان کہتے ہیں کہ ہم ایک بار بازار گئے۔ کوئی چیز خریدنے لگے۔ دکان دار سے بھاؤ پوچھا، اس نے پانچ ریال بتائے۔ ابوبدر نے کہا: نہیں، یہ مہنگا ہے، کم کرو۔ سودا نہ بنا تو آگے چل دیے۔ دوسرے دکان دار نے چار ریال بتائے ابوبدر نے اس سے خریداری کرلی۔ میں نے باہر نکل کر پوچھا ابوبدر، ایک ریال کی خاطر آپ نے پہلی دکان چھوڑ دی۔ انھوں نے کہا کہ ہاں، یہی تجارت ہے۔ ہم استحقاق سے زیادہ کیوں دیں اور وہ اپنے حق سے زیادہ کیوں لیں۔ یہاں آنحضوؐر کی حدیث یاد آتی ہے کہ تم جو کام بھی کرو اسے بہترین انداز سے کرو، تجارت ہو تو تجارت کے کامل اصولوں کے مطابق ہو۔ احمد القطان کہتے ہیں کہ اس خریداری کے بعد ہم ظہر کی نماز کے لیے مسجد گئے۔ ابوبدر کہنے لگے: شیخ احمد میں تمھیں گواہ بنانا چاہتا ہوں کہ آج میں نے خیطان کے علاقے میں اپنی سات مہنگی ترین عمارتیں اُمت کے فقرا کے لیے وقف کردی ہیں۔ یہ عمارتیں پورے کویت میں میری سب سے قیمتی جایداد ہیں جن کی مالیت کئی ملین کویتی دینار بنتی ہے۔

شیخ یوسف قرضاوی صاحب بھی ایسا ہی ایک واقعہ سناتے ہیں کہ ہم دونوں سفر میں اکٹھے تھے۔ صبح کمرے میں ناشتہ آیا تو ساتھ چھوٹی سی ڈبیا میں شہد بھی تھا جو بچ گیا۔ ابوبدر نے وہ اٹھا کر کمرے میں رکھ لیا اور کہا کہ ہم نے اس کے پیسے دیے ہوئے ہیں۔ ہم نے کویت میں ایک کانفرنس رکھی ہوئی تھی جہاں میں نے تجویز دی کہ امریکا میں کچھ افراد نے دنیا میں مسیحیت کے پرچار کے لیے ایک فنڈ قائم کیا ہے جس میں ایک ارب ڈالر جمع کیے گئے ہیں۔ انھوں نے اس فنڈ سے 'زویمر' نامی انسٹی ٹیوٹ قائم کیا ہے جہاں عیسائی مشنریوں کو خصوصی تربیت دی جاتی ہے تو کیوں نہ ہم بھی

ایک فنڈ قائم کریں جو ان عیسائی کاوشوں کے مقابلے کے لیے مختص ہو۔ ہم نے الهیئه الخیریة الاسلامیة العالمیة کے قیام کا فیصلہ کیا۔ ابوبدر سب سے پہلے شخص تھے جو میرے پاس آکر کان میں کہنے لگے: میری طرف سے اس میں ایک ملین (۱۰ لاکھ) ڈالر شامل کرلیں لیکن میرے نام کا اعلان نہ کریں۔ وہی ابوبدر جو تجارت و معاملات میں ایک ریال زیادہ دینے یا چند تولے شہد چھوڑنے کا روادار نہیں تھا اللہ کی راہ میں بے حساب دیتا تھا۔ اللہ بھی انھیں بے حساب لوٹاتا تھا۔ کویت سے عراقی قبضہ ختم ہوا تو سب تاجر رو رہے تھے، لیکن ابوبدر جن کا مال اسباب دورانِ جنگ لوٹ لیا گیا تھا نو ماہ کے اندر اندر پہلے سے بھی زیادہ منافع کما چکا تھا۔

کویت پر عراقی جارحیت کے مشکل ایام میں بھی ابوبدر پوری طرح متحرک و فعال رہے۔ جیسے ہی کویت کی 'آزادی' کا اعلان ہوا، انھوں نے امیر کویت کے نام ایک اہم خط لکھا۔ ۲۷ فروری ۱۹۹۱ء کو لکھے گئے اس خط میں انھوں نے مبارک باد دیتے ہوئے امیر کویت کو یاد دلایا کہ "اللہ کی نعمتوں کا شکر بندوں پر فرض ہے۔ اس شکر کی عملی صورت یہ ہے کہ ہر معاملے میں اسی پروردگار سے رجوع کیا جائے اور کویت کی حکومت اور عوام اپنی وہ تمام ذمہ داریاں پوری کریں جو اللہ نے ان پر عائد کی ہیں تاکہ اللہ کی ان تمام ظاہری اور مستور نعمتوں کو دوام ملے جو اس نے ہم پر کی ہیں۔ اللہ کا ارشاد ہے کہ اہلِ ایمان وہ لوگ ہیں کہ جب ہم انھیں زمین پر متمکن کرتے ہیں تو وہ نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے منع کرتے ہیں۔ ہم اللہ سے امید کرتے ہیں کہ وہ کویت کا قومی دن اس حال میں دوبارہ لائے کہ کویت اور اس کی نسلوں کی تعمیرِ نو قرآن مجید اور سنت نبویؐ کی روشنی میں مکمل ہو چکی ہو"۔ امیر کویت نے ۴ مارچ کو جوابی خط میں ان کا شکریہ ادا کیا اور پھر کویت میں ایک قانونی کمیٹی تشکیل دے دی گئی جس کے سربراہ اخوان ہی کے ایک بزرگ ڈاکٹر خالد المذکور کو بنایا گیا، کمیٹی کا نام ہے: لجنة استکمال تطبیق الشریعة "کمیٹی برائے تکمیل نفاذِ شریعت"۔ کمیٹی اب تک بہت سی سفارشات تیار کر چکی ہے لیکن تشنۂ تنفیذ۔

ابوبدر سے گاہے بگاہے رابطہ رہتا تھا۔ کویت کے انتخابات کے بعد مبارک باد کا فون کیا تو بے حد خوش تھے۔ کہنے لگے مصر میں اخوان، فلسطین میں حماس، بنگلہ دیش میں جماعت اسلامی، پاکستان میں متحدہ مجلس عمل، انڈونیشیا میں جسٹس پارٹی، مراکش میں انصاف و ترقی پارٹی اور اب

کویت میں دستوری تحریک...... ہر طرف سے اچھی خبریں، اسلامی بیداری کی تکمیل کی دلیل ہیں۔

۸۰سالہ عبداللہ المطوع آخری لمحے تک اپنے مورچے پر ڈٹے رہے۔ ۴ستمبر کی صبح کا آغاز بھی انھوں نے قریبی مسجد میں نمازِ فجر اور پھر نمازِ چاشت تک قرآن کی تلاوت و نوافل سے کیا۔ وہ اس سے ایک روز قبل ہی بیرون ملک سے آنکھ کا آپریشن کروا کے لوٹے تھے اور بہت خوش تھے کہ آج میں دوبارہ تلاوت کرنے کے قابل ہوگیا۔ عبداللہ المطوع کی پوری زندگی مسجد، نماز، قرآن اور انفاق کے گرد گھومتی تھی۔ وہ جہاں بھی ہوتے ان کے متلاشی افراد کو معلوم ہوتا تھا کہ وہ کس مسجد میں کس نماز کے بعد ملیں گے۔ آج بھی نمازِ فجر کی ادایگی اور تلاوتِ قرآن کے بعد دسیوں لوگ اپنی اپنی درخواستیں لے کر آئے ہوئے تھے۔ ابوبدر نے سب درخواستوں کو دیکھا، ان پر مناسب ہدایات لکھیں۔ گھر جا کر ناشتہ کر کے کچھ دیر آرام کیا اور پھر دفتر چلے گئے۔ نمازِ ظہر تک مصروف رہے۔ ان کے ایک عزیز دفتر آئے، ان سے مل کر نمازِ ظہر کے لیے وضو کرنے چلے ہی تھے کہ قدم بے جان ہوگئے۔ ابوبدر مسجد یا ہسپتال جانے سے پہلے ہی رفیقِ اعلیٰ کی طرف چلے گئے۔ ان کی وفات کے دن وہ ہزاروں یتیم ایک بار پھر سے یتیم ہوگئے جن کی کفالت ابوبدر کرتے تھے۔ یوں لگا اب وہ دفتر ویران ہوجائے گا جہاں ہر وقت چاردانگ عالم سے آنے والے حضرات اپنی اپنی درخواستیں لیے جمع ہوتے تھے اور سال کے ۱۲مہینے یوں لگتا تھا کہ یہاں انفاق کی سرگرمیوں کے علاوہ کوئی اور کام ہوتا ہی نہیں۔ کویت میں رفاہی سرگرمیوں کا دائرہ ساری خلیجی ریاستوں سے زیادہ منظم و وسیع تھا لیکن کویت کے اکثر اہلِ خیر کسی بھی درخواست پر کچھ دینے سے پہلے دیکھتے تھے کہ اس پر ابوبدر نے کچھ دیا ہے یا نہیں۔ انھیں معلوم تھا کہ ابوبدر نے ہر درخواست گزار کی ضرورت کا صحیح اندازہ لگانے کے لیے ایک نظام وضع کیا ہوا ہے۔

ایک بار ابوبدر اپنے دفتر میں موجود تھے۔ باہر لوگوں کی بھیڑ تھی۔ تھوڑی ہی دیر بعد سیکرٹری نے بتایا کہ سب فارغ ہوگئے۔ ابوبدر نے باہر آکر پوچھا یہاں جو اتنا رش تھا وہ کیا ہوا؟ سیکرٹری نے بتایا کہ وہ آپ کے فلاں عزیز آئے تھے۔ انھوں نے سب کو فارغ کر دیا کہ پسینوں میں شرابور اِن رنگ برنگے لوگوں کی بُو ان کے لیے ناقابلِ برداشت تھی۔ ابوبدر شدید ناراض ہوئے اور کہنے لگے: احمد تمھیں معلوم نہیں پسینے کی اسی بدبو نے ہی ہمیں جنت میں لے جانا ہے۔ میں یہاں رہوں یا

نہ رہوں، یہ دفتر ان مستحق افراد کی درخواستیں یونہی لیتا رہے گا۔

ابوبدر اپنے ان صدقاتِ جاریہ کے بارے میں بتاتے تھے کہ والد صاحب ۱۹۴۶ء میں اللہ کو پیارے ہوئے تو انھوں نے ۳۰ لاکھ ہندستانی روپے ترکے میں چھوڑے اور وصیت کی کہ ان میں ایک تہائی صدقات و خیرات کے لیے وقف ہیں اور دو تہائی ورثا کے لیے۔ ہم نے اس رقم کو اسی طرح الگ الگ رکھتے ہوئے تجارت میں لگا دیا۔ سود، رشوت اور جھوٹ سے مکمل اجتناب کیا۔ زکوٰۃ کی ایک ایک پائی ہمیشہ ادا کی۔ آج اللہ کا دیا رزق پوری دنیا میں پھل پھول رہا ہے۔

یہ عجب اتفاق ہے کہ گذشتہ سال عبداللہ المطوع کے بڑے صاحبزادے بدر، اللہ کو پیارے ہوگئے اور ایک سال سے کم عرصے میں ابوبدر خود بھی فردوسِ اعلیٰ کے مکیں ہوگئے۔ ان کی وفات کے بعد محترم قاضی حسین احمد صاحب اور راقم تعزیت کے لیے کویت گئے۔ ان کے رفقاے کار اور صاحبزادوں سے ملاقاتیں ہوئیں۔ کویت میں پاکستانی احباب نے ان کے لیے تعزیتی اجلاس رکھا۔ اس سے خطاب کرتے ہوئے ان کے صاحبزادے کہہ رہے تھے: ہمارے والدِ مرحوم ہم سے زیادہ کارِ خیر سے محبت کرتے تھے۔ وہ ہمیں بھی ہمیشہ یہی وصیت کیا کرتے تھے کہ اعلاے کلمۃ اللہ کے لیے جینا اور نماز، سچائی اور کارہاے خیر کی حفاظت کرنا ہی اصل کامیابی ہے۔

صحیحین میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ صحابہؓ ایک جنازہ کے پاس سے گزرے اور انھوں نے میت کی تعریف کی۔ آپؐ نے فرمایا: واجب ہوگئی۔ بعدازاں ایک اور جنازے کے پاس سے گزرے تو میت کے شر کا ذکر کیا۔ آپؐ نے فرمایا: واجب ہوگئی۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا: یارسولؐ اللہ، کیا واجب ہوگئی؟ آپؐ نے فرمایا: جس کی تم لوگوں نے تعریف کی اس کے لیے جنت واجب ہوگئی اور جس کی تم نے مذمت کی اس کے لیے آگ واجب ہوگئی۔ آپ لوگ زمین پر اللہ کے گواہ ہیں۔

ابوبدر کے لیے پوری دنیا میں لوگوں کی زبان پر ذکرِ خیر تھا۔ کویت کی تاریخ میں نماز جنازہ کے لیے اتنے لوگ پہلے کبھی نہیں آئے تھے۔ اللہ تعالیٰ اپنے لاکھوں بلکہ کروڑوں بندوں کی یہ گواہی ضرور قبول فرمائیں گے۔ آیئے ہم سب بھی جائزہ لیں کہ اپنے لیے دنیا میں کیسے کیسے گواہ بنا رہے ہیں اور اللہ کے گواہ تو ہر لمحے ہر انسان کے ساتھ ڈیوٹی دے رہے ہیں۔

اخبارِ اُمت

بنگلہ دیش کے متوقع انتخابات

حافظ محمد ادریس

بنگلہ دیش ہمارا برادر اسلامی ملک ہے جو ۱۶ر دسمبر ۱۹۷۱ء تک پاکستان کے مشرقی بازو کے طور پر ہمارا ایک صوبہ تھا۔ اس کے بعد اس نے پاکستان سے علیحدگی اختیار کر لی اور اب ایک آزاد ملک کی حیثیت سے دنیا کے نقشے پر موجود ہے۔ بنگلہ دیش کی آبادی تقریباً ۱۵ کروڑ افراد پر مشتمل ہے۔ یہاں گذشتہ ۳۷ برسوں کے دوران کئی مرتبہ فوج نے براہِ راست انقلاب برپا کیا اور مارشل لا لگا کر حکومت پر قبضہ کیا۔ بعد میں فوجی جرنیلوں نے خود کو سیاسی شخصیت بنانے کے لیے اپنی سیاسی پارٹیاں بنائیں اور ان کے ذریعے سے کئی سال حکومت کرتے رہے۔

شیخ مجیب الرحمٰن کی بیٹی حسینہ واجد اور جنرل ضیا الرحمٰن کی بیوہ خالدہ ضیا بنگلہ دیش کی عوامی لیگ اور بی این پی کی راہ نما ہیں۔ دونوں خواتین یکے بعد دیگرے وزراے اعظم رہ چکی ہیں۔ خالدہ ضیا نے یہ منصب دو مرتبہ حاصل کیا۔ ان کی حکومت کو فوج نے پُرتشدد ہنگاموں کے بعد ۲۰۰۶ء کے آخر میں برخاست کر دیا تھا۔ فوج نے اس مرتبہ براہِ راست حکومت پر قبضہ کرنے کے بجاے پسِ پردہ رہ کر کٹھ پتلی حکومت کے ذریعے بالواسطہ حکمرانی کا راستہ اپنایا۔ اصل اختیارات فوج ہی کے پاس ہیں۔ اس عبوری حکومت نے ملک کے بڑے بڑے تمام لیڈروں کے خلاف بدعنوانی کے مقدمات قائم کیے۔ خالدہ ضیا، حسینہ واجد اور بنگلہ دیش جماعت اسلامی کے امیر مطیع الرحمٰن نظامی سب پابندِ سلاسل ہوئے۔ مطیع الرحمٰن نظامی نے چیلنج کیا کہ عام عدالت میں ان کا مقدمہ چلایا جائے۔ عدالت سے انھیں رہائی ملی مگر ایک ماہ بعد انھیں دوبارہ جماعت کے سیکرٹری جنرل، سابق وفاقی وزیر

علی حسن مجاہد کے ساتھ گرفتار کر لیا گیا۔ ان کی گرفتاری پر شدید احتجاج ہوا تو عبوری حکومت نے ایمرجنسی قوانین کے تحت جلسے جلوسوں پر پابندی عائد کردی۔ ۶ انومبر کو دونوں قائدین کی عدالت سے ضمانت ہوگئی ہے اور وہ رہا ہو چکے ہیں۔

عبوری حکومت کی کوشش تھی کہ دونوں سابق وزراے اعظم خالدہ ضیا اور حسینہ واجد کو میدانِ سیاست سے خارج کردیا جائے لیکن اس میں انھیں کامیابی حاصل نہیں ہو پائی۔ اب ۲۹ دسمبر ۲۰۰۸ء کو عام انتخابات ہونا ہیں۔ گذشتہ پارلیمنٹ میں خالدہ ضیا کی پارٹی بی این پی کے ساتھ جماعت اسلامی اور دیگر دو پارٹیوں نے اتحاد کیا تھا، جب کہ عوامی لیگ کے ساتھ ۱۰ چھوٹی پارٹیاں اتحادی تھیں۔ بنگلہ دیش پارلیمنٹ میں کُل ۳۴۵ نشستیں ہیں، جن میں سے ۳۰۰ نشستیں براہِ راست انتخاب کے ذریعے پُر کی جاتی ہیں اور خواتین کے لیے ۴۵ مختص نشستیں منتخب ارکانِ پارلیمنٹ کے تناسب سے پارٹیوں کو ملتی ہیں۔ جنرل نشستوں پر بھی خواتین انتخاب لڑسکتی ہیں۔ بنگلہ دیش کا یومِ آزادی ۱۶ دسمبر کو منایا جاتا ہے۔ اس حوالے سے پاکستان، جماعت اسلامی، البدر، الشمس اور پاک فوج کے خلاف خوب پروپیگنڈا کیا جاتا ہے۔ اس کے پیچھے عوامی لیگ اور بھارت نواز عناصر کا ہاتھ ہوتا ہے۔ میڈیا پر زہریلا پروپیگنڈا، در و دیوار پر چاکنگ، غرض ایک عجیب ماحول ہوتا ہے۔ ظاہر ہے ایسی فضا میں انتخابی معرکہ عوامی لیگ ہی کے مفاد میں ہوسکتا ہے۔ جماعت اسلامی اور بی این پی دونوں جماعتیں چند ماہ کے لیے انتخابات کے التوا کا مطالبہ کر رہی ہیں۔

خالدہ ضیا اور ان کی پارٹی کا اصل مسئلہ یہ ہے کہ عوامی لیگ کی حامی حکومت میں مشیر داخلہ (تمام وزرا مشیر ہی کہلاتے ہیں) حسین ظل الرحمٰن نے کافی مہارت سے عوامی لیگ کے حق میں فضا ہموار کردی ہے۔ بی این پی کے ۱۴۰ انتخابی حلقوں کو خراب کردیا گیا ہے۔ ۱۰۰ حلقے ایسے ہیں جہاں سے بی این پی کے مضبوط امیدواروں کو مختلف الزامات کے تحت نااہل قرار دے دیا گیا ہے، جب کہ ۴۰ حلقوں کی حد بندیاں اس طرح بدلی گئی ہیں کہ عوامی لیگ کو زبردست فائدہ پہنچے۔ اس وجہ سے بی این پی کے سیکرٹری جنرل خوندکر دلاور حسین نے انتخابات کے بائیکاٹ کی بھی دھمکی دی ہے۔ اب حکومت نے عندیہ دیا ہے کہ انتخابات کچھ ہفتوں کے لیے ملتوی ہو سکتے ہیں۔ الیکشن کمیشن کے مطابق ۳۲ سیاسی پارٹیوں نے رجسٹریشن کرالی ہے۔

خالدہ ضیا کی بی این پی کی اتحادی جماعتوں میں جماعت اسلامی، قومی مدارس کی تنظیم، تنظیم اتحاد الاسلامی اور جنرل ارشاد کی نیشنل پارٹی کا ایک گروپ (ناجی الرحمٰن) شامل تھے۔ انتخابات میں خالدہ ضیا کی پارٹی نے ۲۰۱ نشستیں جیتیں۔ جماعت اسلامی نے ۱۷ (خواتین کی نشستیں ملا کر کُل ۲۰)، اتحاد الاسلامی نے ۳ اور نیشنل پارٹی (ناجی الرحمٰن) نے ۴ نشستیں جیتیں۔ عوامی لیگ کو صرف ۵۷ نشستیں ملیں۔ اس کے اتحادی صرف ۲ نشستیں حاصل کر سکے۔ باقی چند نشستیں جنرل ارشاد کی نیشنل پارٹی اور چند ایک آزاد امیدواروں کو ملیں۔ خالدہ ضیا کے اتحاد کو پارلیمنٹ میں ۲۳۵ ارکان کی حمایت حاصل تھی۔ خالدہ ضیا کی کامیابی کا دارومدار پہلے بھی جماعت اسلامی کی حمایت پر تھا اور آیندہ انتخابات میں بھی جماعت ہی کے تعاون سے وہ نشستیں جیت سکیں گی۔

ملک میں رائے عامہ کے سروے یہ بتاتے ہیں کہ عوامی لیگ کی حمایت تقریباً ۳۵ فی صد ہے۔ دوسرے نمبر پر ۲۹ فی صد کے ساتھ نیشنل پارٹی ہے۔ تیسرے نمبر پر جماعت اسلامی ہے جس کے حامی ۱۷ فی صد ہیں۔ جنرل حسین محمد ارشاد کی نیشنل پارٹی چند اضلاع تک محدود ہے۔ غالباً وہ ۸ سے ۱۰ نشستیں حاصل کر پائیں گے۔ باقی آبادی چھوٹی پارٹیوں اور ضلعی گروپوں کے درمیان تقسیم ہے۔ بی این پی کی دیگر دو اتحادی جماعتیں بھی مجموعی طور پر ۵ سے ۶ فی صد تک حمایت رکھتی ہیں۔ عوامی لیگ کے ساتھ اتحاد میں شامل جماعتیں تعداد میں تو بہت ہیں لیکن عملاً وہ محض خانہ پُری ہے۔

عبوری حکومت کے مخصوص عزائم ہیں۔ ان کی ترجیح اول تو یہ ہے کہ اہم سیاسی شخصیات کو میدانِ سیاست سے خارج کر دیا جائے اور پاکستان میں پرویز مشرف کے تجربے کے مطابق کٹھ پتلی حکومت کے ذریعے اپنی من مانی کی جائے۔ اگر یہ نہ ہو سکے تو ان کی دوسری ترجیح یہ ہے کہ بی این پی اور جماعت اسلامی کا اتحاد کسی صورت برسرِ اقتدار نہ آسکے۔ موجودہ آرمی چیف جنرل معین الدین احمد بھارت کا حامی ہے اور جواب میں بھارتی حکومت بھی اس کے بارے میں خاصا نرم گوشہ رکھتی ہے۔ ان جرنیل صاحب اور عوامی لیگ کے درمیان سیکولر سوچ کے علاوہ بھارت نوازی بھی ایک قدرِ مشترک کی حیثیت رکھتی ہے۔ خالدہ ضیا اور حسینہ واجد کے درمیان گذشتہ ۱۵ برس سے کبھی ملاقات نہیں ہوئی بلکہ بول چال تک بند رہی ہے۔ اب دونوں راہ نماؤں کے

درمیان ملاقات کا عندیہ دیا جا رہا ہے۔ عوامی لیگ چاہتی ہے کہ بی این پی بائیکاٹ نہ کرے کیونکہ اس صورت میں انتخابات کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا اور بی این پی کے سیکرٹری جنرل کے مطابق ایسی حکومت ایک ماہ بھی قائم نہ رہ سکے گی۔

بی این پی کوئی دینی سوچ رکھنے والی جماعت نہیں لیکن عوامی لیگ اور بی این پی کا موازنہ کیا جائے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ جماعت بھارت کے مقابلے میں پاکستان سے زیادہ قریب ہے اور لادینی خیالات کی حمایت کرنے کے بجائے زبانی کلامی حد تک ہی سہی، اسلامی اقدار و شعائر کو ترجیح دیتی ہے۔ عوامی لیگ پاکستان مخالف ہے اور جماعت اسلامی کو آج تک غدارِ وطن قرار دیتی ہے۔ ان حالات میں جماعت اسلامی کی قیادت نے بنگلہ دیش کے قیام کے بعد سے اب تک بڑی حکمت کے ساتھ اپنا راستہ متعین کیا ہے اور ملک کی تیسری بڑی پارٹی کا مقام حاصل کرلیا ہے۔

سابقہ کابینہ میں جماعت اسلامی کے دو وزرا تھے: امیر جماعت مطیع الرحمٰن نظامی اور قیم جماعت علی حسن محمد مجاہد۔ ایمنسٹی انٹرنیشنل اور دیگر عالمی اداروں کی رپورٹوں کے مطابق انھی دو وزرا کی وزارتوں میں قاعدے اور ضابطے کی مکمل پابندی کی گئی۔ عبوری حکومت نے بدعنوانی کے مقدمات قائم کرنے کے لیے ریکارڈ کی خوب چھان بین کی لیکن ان وزرا کے خلاف کوئی شواہد نہ تلاش کرسکی۔ ان کی وزارتوں کی کارکردگی کے اپنے اور غیر سب ہی قائل رہے۔ جماعت کی موجودہ بڑھتی ہوئی حمایت میں ان وزرا کی کارکردگی کا نمایاں حصہ ہے۔

جماعت اسلامی نے اسلامی بنک بنگلہ دیش کے ذریعے غیرسودی بنکاری کا قابلِ تحسین تجربہ کیا ہے۔ یہ بنک ملک کے تمام بنکوں کے مقابلے میں زیادہ کامیاب، اکاؤنٹ ہولڈرز کے نزدیک زیادہ قابل اعتماد اور مالیاتی امور اسلامی اصولوں کے مطابق انجام دینے کی وجہ سے انتہائی مقبول ہے۔ بنک نے اپنے حصہ داروں کو اچھا منافع دینے کے ساتھ ساتھ تعلیم اور صحت کے شعبوں میں اس قدر رفاہی کام کیا ہے کہ تمام مخالفانہ پروپیگنڈا اس کے سامنے ریت کی دیوار ثابت ہوا ہے۔

جماعت اسلامی نے عوامی سطح تک کسانوں اور مزدوروں کے اندر اپنی تنظیم کو منظم کیا ہے اور ملک کا کوئی حصہ ایسا نہیں، جہاں انھیں موثر قابلِ لحاظ حمایت حاصل نہ ہو۔ جماعت اسلامی نے اپنی تنظیم میں خواتین کو بھی بڑی تعداد میں شامل کیا ہے۔ بنگلہ دیش بننے کے وقت جماعت اسلامی پاکستان

کے ارکان تقریباً ۲۵۰ تھے۔ ان میں سے کئی شہید ہوگئے، جب کہ بہت سے جلاوطن بھی ہوئے۔ اس وقت مرد ارکان کی تعداد ۱۷ ہزار ۷ سو۱۳ ہے، جب کہ خواتین ارکان کی تعداد ۶ ہزار ۲ سو ۱۱ ہے۔ یوں کُل تعداد ۳۰ ہزار ۹ سو۲۴ ہے۔

جماعت اسلامی نے تنظیمی اور مالیاتی شعبے کے علاوہ شعبہ ابلاغ عامہ میں بھی کامیاب پیش رفت کی ہے۔ ملک میں موجود سرکاری اور غیرسرکاری تمام ٹی وی چینل لادین اور ہندونواز عناصر کی آماجگاہ ہیں۔ ان سب میں قدرِ مشترک اسلام، پاکستان اور جماعت اسلامی کی مخالفت ہے۔ جماعت نے کچھ عرصہ قبل اپنا چینل شروع کیا ہے جو دیگانتو (آفاق) کے نام سے پروگرام پیش کررہا ہے اور روز بروز مقبول ہوتا چلا جارہا ہے۔ یہ چینل اپنا ایک روزنامہ بھی اسی نام سے شائع کررہا ہے، جس کی اشاعت اس وقت ایک لاکھ ۵۰ ہزار ہے۔

اگر مجوزہ انتخابات میں عبوری حکومت اور فوج زیادہ مداخلت نہیں کرتی تو بی این پی، جماعت اسلامی اتحاد واضح اکثریت حاصل کرسکتا ہے۔ پچھلے انتخابات میں جماعت اسلامی کو اتحاد کی طرف سے ۳۰ نشستیں دی گئی تھیں جس میں سے جماعت نے ۱۷ جیتیں۔ اس مرتبہ جماعت کا مطالبہ ہے کہ اسے کم از کم ۵۰ نشستوں پر اپنے امیدوار کھڑے کرنے کی اجازت دی جائے۔ دیکھیے اگلے انتخابات میں برادر مسلم ملک بنگلہ دیش کی تقدیر کا کیا فیصلہ ہوتا ہے۔

شرق اوسط: شام کا کردار

فیض احمد شہابی°

شرق اوسط میں تبدیلیوں کا سلسلہ جاری ہے۔ ایک طرف شام پر ۲۶ اکتوبر ۲۰۰۸ء کو کیا جانے والا امریکی حملہ ہے جو امریکی عزائم کی نشان دہی کررہا ہے تو دوسری طرف سفارتی عمل کے

° تحقیق کار، ادارہ معارف اسلامی، لاہور

ذریعے نئی صورت حال سامنے آتی نظر آرہی ہے۔ سفارتی سطح پر تبدیلی کا آغاز ۲۹ مارچ ۲۰۰۸ء کو دمشق میں ہونے والی عرب سربراہ کانفرنس سے ہوتا دکھائی دیتا ہے۔ اس کانفرنس کے اعلامیے میں عرب پالیسی کا ایک نیا رخ سامنے آیا۔ عرب لیگ کے سیکرٹری جنرل عمرو موسیٰ نے جو اعلامیہ پڑھ کر سنایا اس میں کہا گیا تھا کہ: ''اسرائیل اگر اپنا رویہ تبدیل کرنے پر تیار ہو تو پھر عرب ملک بھی امن کی پیش کش پر ازسرِنو غور کرنے کو تیار ہوں گے''۔ یہ 'ازسرِنو غور' ایک نئی شرط اور ایک نیا عندیہ تھا جو پہلی بار اس کانفرنس میں سامنے آیا۔ اس وقت اس کی وضاحت نہیں کی گئی۔

'ازسرِنو غور' نے جلد ہی پَر پُرزے نکالنے شروع کر دیے۔ ۲۲ مئی کو ترکی کی وساطت سے انقرہ میں بالواسطہ شام اسرائیل مذاکرات ہوئے۔ ۲۰۰۰ء کے بعد پہلی بار جولان کی پہاڑیاں موضوع بنیں۔ انقرہ مذاکرات کا کھوکھلا پن اس وقت واضح ہوگیا جب جون کے اوائل میں اسرائیل کے سابق آرمی چیف اور موجودہ نائب وزیراعظم شال موفاز (Shaul Mofaz) نے صحافیوں کو بتایا کہ: ''جولان شام کے حوالے نہیں کیا جاسکتا''۔

اب تک شام اور اسرائیل میں بالواسطہ مذاکرات کے چار دور ہوچکے ہیں لیکن کوئی نتیجہ سامنے نہیں آیا۔ اس کے باوجود صدر بشارالاسد بڑے پُرامید ہیں۔ انھوں نے حکمران بعث پارٹی کی اعلیٰ قیادت کو بتایا کہ شام اور اسرائیل میں جولان کے بارے میں بلاواسطہ امن بات چیت دوبارہ شروع کرنے کے لیے پیغامات کا تبادلہ ہوا ہے۔ انھوں نے کسی تفصیل کے بغیر بتایا کہ: ''اسرائیل اچھی طرح سے جانتا ہے کہ شام کا مطالبہ کیا ہے اور اسے کیا قبول ہے اور کیا ناقابلِ قبول''۔

اسی سال چار جون کو امریکا کی طرف سے دھمکی آئی کہ اب شام کو بین الاقوامی جوہری نگران ادارے (IAEA) سے اپنی جوہری تنصیبات کا معائنہ کرانا ہوگا۔ مسلسل شامی تردید کے باوجود، امریکا کا اصرار ہے کہ شام ایران کا اتحادی ہے اور وہ شمالی کوریا کی مدد سے الکبر کا جوہری پلانٹ بنا رہا ہے۔ واضح رہے کہ یہ وہ پلانٹ ہے جو گذشتہ سال ستمبر میں اسرائیل کی فضائی بم باری سے تباہ ہوچکا ہے۔ اس حملے کے لیے یہ بہانہ گھڑا گیا کہ اسرائیل کے جاسوس سیارچے نے اس پلانٹ کی جو تصویریں بھیجی تھیں وہ شمالی کوریا کی تنصیبات سے 'ملتی جلتی' تھیں۔ بعد میں پتا چلا کہ یہ شام کی سرحدی فوجی چھاؤنی تھی جو زیرِتعمیر تھی۔ چونکہ شام کا موقف واضح تھا اس لیے اس نے بین الاقوامی

جوہری انسپکٹروں کی آمد میں کوئی رکاوٹ نہ ڈالی۔ یہ انسپکٹر ۲۲ سے ۲۴ جون تک شام میں اپنی مرضی سے گھومتے پھرتے رہے، لیکن انھیں کہیں بھی کسی جوہری تنصیب کے آثار نہ ملے۔

امریکا اور اس کے یورپی اتحادیوں کو ایک اور تدبیر سوجھی کہ اگر شام اور لبنان سفارتی تعلقات قائم کرلیں تو ایران تنہا رہ جائے گا اور فلسطینی تحریک حماس بھی کمزور پڑ جائے گی۔ واضح رہے کہ ۱۹۴۱ء میں لبنان اور ۱۹۴۶ء میں شام فرانس سے آزاد ہوئے لیکن وہ سفارتی تعلقات قائم نہ کرسکے (تنازع 'عظیم تر شام' کے نظریے کا تھا)۔ تاہم یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ لبنان طویل عرصے تک براہِ راست شام کے زیرِ اثر بلکہ زیرِ تصرف رہا ہے۔ حریری کے قتل کے بعد شامی فوجوں کو نکلنے پر مجبور ہونا پڑا۔ ان تعلقات کے قیام کے لیے فرانسیسی صدر نکولس سرکوزی کو ذمے داری دی گئی۔ انھوں نے اسی سال ۱۲ جولائی کو پیرس کے صدارتی محل ایلیزیہ میں شام کے صدر بشارالاسد اور لبنانی صدر مائیکل سلیمان کے درمیان مذاکرات کا اہتمام کیا اور انھیں سفارتی تعلقات کے قیام پر رضامند کرلیا۔ فرانسیسی صدر نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ بشارالاسد ایران کو اس کے جوہری پروگرام میں پیش رفت سے باز رکھیں گے۔ دوسری طرف بشارالاسد نے صدر سرکوزی کے سامنے جولان کا مسئلہ پیش کیا کہ وہ امریکا سمیت شام اور اسرائیل کے درمیان بلاواسطہ مذاکرات کے لیے راہ ہموار کرنے میں مدد دیں۔ ۳ ستمبر کو فرانسیسی صدر دمشق آئے۔ دوسرے دن قطر کے امیر شیخ حمد بن خلیفہ الثانی اور ترک وزیراعظم طیب اردوگان بھی آئے۔ اس سربراہ کانفرنس میں بشارالاسد نے اسرائیل کے ساتھ قیامِ امن کے لیے تجاویز پیش کیں جس سے یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ وہ اسرائیل کے ساتھ بلاواسطہ مذاکرات کے لیے تیار ہیں۔ اسرائیل کی طرف سے بھی کڑی شرائط سامنے آئیں کہ اگر شام ایران، حزب اللہ اور حماس سے تعلقات پر نظرثانی کرنے کو تیار ہو تو اس صورت میں اسرائیل کو باہمی مذاکرات سے کوئی عذر نہیں ہوگا۔

۱۴ اکتوبر کو صدر بشارالاسد نے صدارتی حکم نامہ نمبر ۳۵۸ جاری کرکے لبنان کے ساتھ سفارتی تعلقات قائم کرنے کا اعلان کیا۔ اسی دن شام کی وزارتِ خارجہ نے اقوامِ متحدہ کو ایک خط کے ذریعے مطلع کیا کہ اس نے لبنان کے ساتھ سفارتی تعلقات قائم کرلیے ہیں۔ نہ صرف عرب ملکوں بلکہ ایران نے بھی اس اقدام کو خوش آیند قرار دیا۔ حزب اللہ کے رہنما شیخ حسن نصراللہ نے

اسے ایک بہت بڑی تبدیلی قرار دیا۔ مرحوم رفیق حریری کے بیٹے تحریک المستقبل کے مرکزی رہنما اور ممبر پارلیمنٹ سعد حریری نے سفارتی تعلقات کے قیام کو ایک مثبت قدم قرار دیا اور ساتھ ہی یہ تبصرہ کیا کہ یہ لبنان کے ثورہ الارز (انقلابِ صنوبر) کی فتح ہے۔ واضح رہے کہ شام کی فوجی موجودگی کے خلاف شروع کیے گئے مظاہروں کو یہ نام دیا گیا تھا۔

سفارتی تعلقات کے قیام کے بعد لبنان ایک نئے جذبے سے سرشار نظر آرہا ہے لیکن مسائل بے شمار ہیں۔ شام کے ساتھ اس کی سرحدیں ابھی تک غیر متعین ہیں۔ ۲۵ مربع کلومیٹر پر مشتمل شَبُعا فارمز کا زرخیز علاقہ اسرائیل کے قبضے میں ہے۔ شام اور لبنان دونوں اس کے دعوے دار ہیں۔ جولان اور شَبُعا فارمز جیسے مسائل لاینحل نہیں۔ اگرچہ اسرائیل کی ہٹ دھرمی نے انھیں پیچیدہ ضرور بنا دیا ہے۔ سرِدست ان کی واپسی کے لیے کسی نظام الاوقات کا تعین مشکل دکھائی دیتا ہے۔

یہ بھی کہا جا رہا ہے کہ اب شام سفارتی روپ میں لبنان پر اثرانداز ہوگا، بلکہ اس کا سفارت خانہ سفارت کاری کے روپ میں انٹیلی جنس کا مرکز بنے گا۔ یہ اور اس قسم کے دوسرے شبہات فریقین کے قلب و ذہن سے جب تک دُور نہیں ہوں گے، بدگمانیاں باقی رہیں گی۔ لبنان کے ساتھ سفارتی تعلقات کے قیام سے بظاہر شام کا جھکاؤ امریکا کی طرف ہوگیا ہے لیکن اسرائیل اور امریکا دونوں شام کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں۔ حالیہ امریکی حملہ اس کی تازہ مثال ہے جو شامی حدود کے اندر ۴ کلومیٹر گھس کر کیا گیا اور جس کے نتیجے میں ۸ بے گناہ شہری ہلاک ہوگئے۔

شرق اوسط عالمی طاقتوں کا اکھاڑہ ہے۔ سب کے اپنے اپنے مہرے ہیں۔ چالیں چلی جا رہی ہیں۔ نقشہ کیا بنتا ہے، آنے والا وقت ہی بتائے گا۔

اشاریہ ترجمان القرآن

ترجمان القرآن کا اشاریہ (جنوری-دسمبر ۲۰۰۸ء) خط لکھ کر یا ای میل کے ذریعے منگوایا جاسکتا ہے۔ (ادارہ)

رسائل و مسائل

والدہ کا نامناسب رویہ اور حق خدمت

سوال: میری دادی جان جب سے میرے والد صاحب کے ساتھ رہائش پذیر ہیں آج تک میری والدہ اور دادی کے درمیان کبھی بھی خوش گوار تعلقات نہیں رہے۔ پہلے صرف میری والدہ کے ساتھ ناچاقی رہتی تھی پھر ان کی اولاد یعنی ہمارے بہن بھائیوں کے ساتھ بھی معاملات خراب رکھنے لگیں۔ خدا گواہ ہے کہ ہم نے کبھی آج تک دادی جان کے ساتھ نہ کوئی بدتمیزی کی اور نہ ہی کبھی ان کی کوئی چیز یا رقم وغیرہ نکالی۔ اب والد صاحب پر ڈیڑھ سال سے فالج ہو چکا ہے جس کی وجہ سے وہ محتاجی کی زندگی گزار رہے ہیں اور دوسری طرف دادی جان کی ٹانگ میں بھی ایک سال پہلے گرنے کی وجہ سے فریکچر ہو گیا تھا جس کی انتہائی شدید تکلیف تھی۔ دونوں مریضوں (والد اور دادی جان) کو میری والدہ نے انتہائی جاں فشانی سے سنبھالا جب کہ وہ خود بھی ہائی بلڈ پریشر کی مریض ہیں لیکن میرے والدین کے اتنے نرم رویے کے باوجود دادی کا مزاج ان کے لیے دن بہ دن سخت ہوتا جا رہا ہے۔ دونوں کے لیے انتہائی نازیبا الفاظ استعمال کرتی ہیں اور بددعائیں دیتی ہیں۔

والد صاحب اپنی فالج زدہ زندگی کے ہاتھوں مجبور ہونے کے باعث کبھی کبھار دادی جان کے رویے کو دیکھ کر شدید غصے میں آ جاتے ہیں۔ اس لیے اب ان کے لیے دادی جان کا گالم گلوچ اور بددعاؤں والا رویہ برداشت کرنا مشکل ہو گیا ہے۔ دادی جان کے مزاج سے تنگ آ کر والد صاحب نے اپنی بہنوں سے کہا کہ آپ کی بھی والدہ ہیں،

آپ ان کو سمجھانے کی کوشش کریں، یا پھر ہم اپنے بیٹے کے گھر چلے جاتے ہیں۔ پھوپھو دادی جان کو اپنے ہمراہ لے گئیں مگر اب دادی جان نے سب کو یہ کہنا شروع کر دیا ہے کہ میرے بیٹے نے اپنی بیوی کے کہنے میں آ کر مجھے گھر سے نکال دیا ہے۔ اب میں اپنی باقی زندگی میں کبھی وہاں واپس نہیں جاؤں گی۔ والد صاحب وہاں ملنے جاتے ہیں تو دادی جان ان سے بات بھی نہیں کرتیں۔

دادی جان کے اس رویے اور ناراضی کی وجہ سے والد صاحب بہت پریشان ہیں اور رشتے دار بھی باتیں بنا رہے ہیں۔ کیا ہماری پھوپھیوں پر دادی جان کی خدمت اور تیمارداری کرنا فرض نہیں یا پھر ان حالات میں بھی میرے والدین ہی اس کے مکلّف ہیں، جب کہ والد صاحب تو دادی جان کی خدمت فالج کی وجہ سے نہیں کر سکتے، صرف والدہ ہی کر سکتی ہیں؟ ایسی صورت میں والد صاحب کے لیے کیا حکم ہے، جب کہ معافی مانگنے پر بھی دادی جان ابو کے گھر آنے کے لیے راضی نہیں اور نہ معاف کرنے پر ہی تیار ہیں، نیز ان کے اخراجات والد صاحب ہی اٹھاتے ہیں۔ کیا ایسی صورت میں میرے والد اور والدہ کے لیے دادی جان کی ناراضی اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا باعث تو نہیں، جب کہ والدین کی اطاعت معروف میں ہے نہ کہ منکر میں؟

جواب: یہ جان کر خوشی ہوئی کہ آپ کے والد صاحب اور آپ کی والدہ صاحبہ نے آپ کی دادی صاحبہ کی بڑی مخلصانہ خدمت کی ہے، البتہ آپ کے بقول، دادی صاحبہ اپنے مزاج کی بنا پر پہلے آپ کی والدہ صاحبہ اور اب والد صاحب سے بھی ناراض ہیں اور آپ نے اس کی تفصیل بھی لکھی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ والدہ کا حق اس قدر زیادہ ہے کہ کبھی بھی آدمی یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں نے حق ادا کر دیا ہے۔ والدین کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ھما جنتك ونارك، ''وہ تمھاری جنت اور دوزخ ہیں''، نیز جبریلؑ نے بددعا کی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر آمین فرمائی۔ پہلی بددعا یہ کہ ہلاک ہو وہ جو رمضان کو پائے اور اپنی مغفرت نہ کرائے۔ دوسری یہ کہ ہلاک ہو وہ جس کے پاس آپ کا ذکر کیا جائے (یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم) اور وہ آپؐ پر درود شریف نہ

پڑھے۔ تیسری یہ کہ ہلاک ہو وہ جو اپنے ماں باپ یا دونوں میں سے ایک کو بڑھاپے میں پائے اور وہ اسے جنت میں داخل نہ کردیں (بخاری)۔ پس ایسی دعا جو جبریل نے کی ہو اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر آمین کہی ہو کسی بھی صورت رد نہیں ہوسکتی۔ اس لیے یہ تینوں آدمی ہلاکت سے دوچار ہوں گے۔ وہی بچ سکتا ہے جو اپنے گناہ کی تلافی کر کے اپنا بچاؤ کرلے۔

آپ کے نزدیک آپ کے والد صاحب اور آپ کی والدہ صاحبہ نے آپ کی دادی صاحبہ کی بڑی خدمت کی ہے لیکن یہ خدمت اس وقت معتبر ہوگی جب والدہ صاحبہ یعنی دادی صاحبہ بھی راضی ہوجائیں اور کہیں کہ اس کے بیٹے اور بہو، یعنی آپ کے والد اور والدہ نے ان کی خدمت کی ہے اس لیے ابھی دونوں مل کر خدمت کریں، والدہ کو راضی کریں۔ لوگوں کی باتوں کی طرف نہ دیکھیں۔ وہ آپ کے پاس واپس آجائیں یا آپ کی پھوپھی صاحبہ کے پاس رہیں، ان کی مرضی پر ہے لیکن راضی کرنا ضروری ہے۔ والدہ، یعنی دادی صاحبہ اگر سمجھتی ہیں کہ ان کے بیٹے نے ان کو اپنے گھر سے نکال دیا ہے تو والد صاحب کوشش کر کے اس تاثر کو زائل کریں۔ یہ بحث و مباحثے اور مناظرے کی بات نہیں ہے کہ پھوپھیوں پر بھی دادی کا حق ہے کہ نہیں۔ حق سب پر ہے لیکن عرف، شریعت اور دنیا کا رواج یہ ہے کہ ماں والد کے فوت ہوجانے کے بعد بیٹوں کے سپرد ہوتی ہے، بیٹیوں کے نہیں۔ آپ کے والد صاحب پر ان کی خدمت اور کفالت واجب ہے، آپ کی پھوپھیوں پر نہیں۔ ابھی آپ لوگوں نے اپنی دادی کا حقِ خدمت ادا نہیں کیا اسی لیے وہ آپ کی خدمت کو تسلیم نہیں کرتیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نیکی کے نیکی ہونے اور کسی کے ساتھ نیکی کرنے نہ کرنے کا معیار بتلا دیا ہے۔ وہ یہ کہ نیکی اتنی زیادہ اور اس قدر کامل اور اس قدر مخلصانہ ہو کہ لوگ کہیں کہ اس نے نیکی کی ہے۔

ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا اور عرض کیا: یارسولؐ اللہ! جب میں کسی کے ساتھ احسان کروں یا برائی کروں تو مجھے کیسے پتہ چلے گا کہ میں نے احسان کیا ہے یا برائی کی ہے۔ اس پر آپؐ نے فرمایا: جب آپ اپنے پڑوسیوں کو دیکھیں کہ وہ کہیں کہ آپ نے احسان کیا ہے تو پھر فی الواقع آپ نے احسان کیا ہے اور جب آپ کے

پڑوسی کہیں کہ آپ نے بُرا کیا ہے تو سمجھ لیں کہ آپ نے بُرا کیا ہے۔ (ابن ماجہ، مشکوٰۃ، ج ۲، ص ۴۲۴)

آپ کے والد صاحب بجا طور پر پریشان ہیں۔ وہ جس حالت میں بھی ہیں اپنی والدہ کو راضی کریں اور آپ اور آپ کی والدہ بھی اخلاص کے ساتھ اپنی آخرت سنوارنے کی خاطر ان کو راضی کریں۔ بدنامی کرنے والوں کو خوش کرنے کے بجائے والدہ کو راضی کریں تاکہ اللہ تعالیٰ بھی راضی ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کو اس کی توفیق سے نوازے۔ آمین! نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ماں باپ کی رضامندی اللہ کی رضامندی ہے اور ماں باپ کی ناراضی اللہ کی ناراضی ہے۔ (بحوالہ ترمذی، مشکوٰۃ)

اس کے ساتھ ساتھ دوسرا پہلو بھی پیش نظر رہے۔ وہ یہ کہ ہر طرح کی خدمت کے باوجود اگر والدہ صاحبہ محض اپنے مزاج کی وجہ سے راضی نہ ہوسکیں تو وہ بھی قصوروار ٹھیریں گی اور اللہ کے ہاں جواب دہ ہوں گی۔ والدہ صاحبہ کو معاملے کی اس نزاکت کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیے کہ ان کی ناراضی ان کے بیٹے کی آخرت برباد کرنے کا باعث بن سکتی ہے (بدسلوکی کو بھی معاف کردینا چاہیے کہ اولاد آخرت کی پکڑ سے بچ سکے)۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں اندھیر نگری نہیں ہے کہ کوئی شخص بلاوجہ اپنی اولاد کی خدمت کو ٹھکرا دے تو اس سے بازپُرس نہ ہو۔ جہاں اولاد سے ماں باپ کے بارے میں سوال ہوگا، وہیں ماں باپ سے بھی اولاد کے بارے میں بازپُرس ہوگی۔ اگر والدہ صاحبہ کو یہ بات اب سمجھ میں آجائے تو بہتر ہے، اور اگر انھیں بات سمجھ میں نہیں آتی تو پھوپھیوں اور رشتہ داروں اور برادری کو عدل و انصاف کا راستہ اختیار کرنا چاہیے۔ انھیں چاہیے کہ وہ والدہ کو سمجھائیں اور بھائی کا ساتھ دیں، اگر وہ حق پر ہیں۔ صلۂ رحمی صرف یہ نہیں ہے کہ اولاد ماں باپ کا خیال رکھے بلکہ یہ بھی ہے کہ ماں باپ اولاد سے شفقت سے پیش آئیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو ہمارے بڑوں کی عزت اور چھوٹوں پر شفقت اور ہمارے عالم کی قدر نہ کرے (مختصر الترغیب والترھیب)۔ (مولانا عبدالمالک)

بیوی کا شوہر کے بجاے خاندانی نام کا استعمال

س: اگر کوئی مسلمان خاتون اپنے خاندانی نسب اور نام کو جو وجۂ شہرت ہے، قائم رکھنے کے لیے رشتۂ ازدواج میں منسلک ہونے کے بعد اپنے نام کے ساتھ شوہر کا نام استعمال کرنے کے بجاے اپنے والد کے نام یا خاندانی نام سے منسوب ہونا پسند کرتی ہے تو شرعی حیثیت سے ایسا کرنا کس زمرے میں آئے گا اور اس کے لیے خاتون کو شوہر کی اجازت یا رضامندی کی ضرورت ہوگی یا نہیں!؟

ج: شریعت میں تو اسی بات کو رواج حاصل رہا ہے کہ خاتون ہو یا مرد، دونوں اپنے نام کے ساتھ بطور تعارف اپنے والد، دادا یا پردادا وغیرہ جتنوں کو ذکر سکتے ہیں، کریں۔ کتب اسما الرجال اور احادیث مبارکہ میں خواتین کے نسب کا ذکر کیا جاتا ہے۔ رہا شوہر، تو اسے بطور تعارف ذکر کرنے کا رواج بعد کے ادوار میں شروع ہوا ہے، مثلاً حضرت عائشہؓ اور حضرت اسمؓ کے ساتھ بنت ابی بکر کا ذکر ہوتا ہے۔ حضرت عائشہؓ کے اُم المومنین ہونے کا الگ سے ذکر آتا ہے۔ اس لیے کہ ازواجِ مطہراتؓ کا اِسی حیثیت سے یہ تعارف قرآن پاک نے کرایا ہے اور یہ ان کے لیے بہت بڑا شرف ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ کے بارے میں فرمایا: ''اگر فاطمہ محمدؐ کی بیٹی بھی چوری کرتی (اللہ نے ان کو اس سے بچائے رکھا) تو میں ان کے ہاتھ کو بھی کاٹتا'' (بخاری)۔ لہٰذا باپ کا ذکر تو ایک شرعی روایت ہے، اس کے جواز میں کوئی شک نہیں۔ آج کل چونکہ خاتون کے ساتھ اس کی شادی کے بعد اس کے شوہر کا تذکرہ کیا جاتا ہے کہ یہ فلاں کی زوجہ ہے تو یہ تعارف بھی قابلِ اعتراض نہیں ہے لیکن اصل تعارف تو باپ، دادا ہوتے ہیں۔ تعارف میں ان کا ذکر اس بنا پر بہتر ہے کہ شرعی روایت کی پیروی ہے۔ شوہر سے اجازت کی حاجت نہیں۔ شوہر کو اس پر ناراض نہیں ہونا چاہیے بلکہ خوش ہونا چاہیے۔ واللہ اعلم! (ع - م)

کتاب نما

انسان کی تخلیق، ترتیب و تدوین: پروفیسر شہزاد الحسن چشتی۔ ناشر: اسلامک ریسرچ اکیڈمی، ۳۵-ڈی، بلاک ۵، فیڈرل بی ایریا، کراچی-۷۵۹۵۰۔ فون: ۶۸۰۹۲۰۱-۰۲۱۔ صفحات: ۲۲۱۔ قیمت: ۱۵۰روپے۔

اہلِ مغرب کو داد دینی پڑتی ہے کہ جتنی بڑی گمراہی ہو، اس کے حق میں اتنے ہی کثیر علمی دلائل کے انبار لگا دیتے ہیں۔ انسان جیسی اشرف المخلوقات کو بندروں کی نسل سے وابستہ کرنے جیسی مضحکہ خیز بات پر کتابوں پر کتابیں لکھیں اور صورت یہ بنا دی کہ اللہ کی انسان کی تخلیق جیسی درست، عقلی اور سچّی بات دفاعی انداز میں پیش کی جائے۔ ڈارون نے نہ صرف انسان، بلکہ اس کائنات کے تمام مظاہر حیات کے لیے ارتقا کا نظریہ پیش کیا جو پچھلے ۲۰۰ سال سے علمی اور سائنسی دنیا پر چھایا ہوا ہے اور جس نے صرف حیاتیات ہی نہیں، علوم کے دوسرے دوائر پر بھی اثر ڈالا ہے۔ انسان اور کائنات کی تخلیق کے بارے میں تفہیم القرآن میں متعلقہ آیات کی تشریح کرتے ہوئے سید مودودیؒ نے جو غیر معمولی تحریریں لکھی ہیں حیاتیات کے پروفیسر شہزاد الحسن چشتی نے اس کتاب میں وہ سب یک جا کر دی ہیں۔ ان سے، قدرتی بات ہے، ڈارون ازم کا ابطال ہوتا ہے اور انسان کے سامنے اللہ تعالیٰ کی ہستی اپنی صفتِ تخلیق کی پوری شان کے ساتھ جلوہ گر ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی انھوں نے، صاحبِ تفہیم القرآن کی دوسری کتابوں سے، جہاں ڈارون ازم پر سوالوں کے جواب دیے گئے ہیں، وہ بھی جمع کر کے ایک باب میں (۱۷صفحات) پیش کر دیے ہیں۔ اتنا کام بھی اس کتاب کو ایک وقیع کتاب بنا دیتا، لیکن انھوں نے اس پر مزید محنت یہ کی ہے کہ ۳۵ صفحات کے پیش لفظ میں ڈارون ازم کے حق میں پیش کیے جانے والے شواہد کی حقیقت بھی بیان کر دی ہے۔

کتاب میں کائنات کی تخلیق پر ۴۵ صفحات کا ایک باب ہے۔ انسان کی تخلیق پر باب دوم

سے ہفتم تک ۱۱۰ صفحات ہیں۔ اسی میں انسان کی تخلیق کے مقصد پر ۳۲ صفحات ہیں۔

مؤلف خود حیوانیات کے پروفیسر رہے ہیں اس لیے ان پر ان کے طالب علموں کا، بلکہ اس اُمت کا یہ حق ہے کہ وہ صرف ۳۵ صفحات کے پیش لفظ ہی میں نہیں، بلکہ ۳۵۰ صفحات کی ایک پوری کتاب میں، اس باطل نظریے کی تائید میں درسی کتابوں میں طلبہ و طالبات کو جو نام نہاد شواہد پڑھائے جاتے ہیں ان کا کچا چٹھا کھول کر بیان کریں۔ اس کتاب کا ہم انتظار کریں گے۔

ڈارون کے نظریے کے بارے میں مولانا مودودی نے لکھا ہے کہ ''یورپ نے جو اس وقت تک اپنے الحاد کو پاؤں کے بغیر چلا رہا تھا، لپک کر یہ لکڑی کے پاؤں ہاتھوں ہاتھ لیے اور نہ صرف اپنے سائنس کے تمام شعبوں میں بلکہ اپنے فلسفہ و اخلاق اور اپنے علومِ عمران تک میں ان کو نیچے سے نصب کرلیا'' (ترجمان القرآن، جنوری فروری ۱۹۴۴ء)۔ یہ گمراہ کن نظریہ یورپ میں پیش ہوا تو عیسائی اہلِ ایمان نے بھی اس کی خوب خبر لی اور آج تک لے رہے ہیں۔ اپنے تعلیمی اداروں میں اس کے مقابل تخلیق سائنس (Creation Science) کی ترویج کے لیے تحریک چلاتے ہیں۔ لیکن مسلم دنیا کا المیہ یہ ہے کہ مسلمان سائنس دانوں اور حیوانیات کے اساتذہ نے سائنسی بنیادوں پر اس کے تاروپود نہ بکھیرے بلکہ علماے دین ہی عقیدے کی بنیاد پر اس کی تردید کرتے رہے۔ گذشتہ کچھ برسوں سے ترکی کے ہارون یحییٰ نے اس عقیدے کے خلاف منظم مہم چلائی ہے، استدلال سے مزین دل کش اسلوب میں باتصویر کتابیں پیش کی ہیں۔ ۷۰، ۸۰ وڈیو سی ڈی کا ایک سلسلہ ہے جس کا ان کی رپورٹ کے مطابق دنیا کی ۸۰ زبانوں میں ترجمہ کیا گیا ہے۔ یہ ان کی ویب سائٹ پر موجود ہیں (haroonyahya.com)☆۔ لیکن آزادی کے بعد ہماری بھی نصف صدی گزر گئی ہے۔ ہزاروں بلکہ لاکھوں طلبہ نے حیوانیات کی کتابوں میں آمنا وصدقنا کہتے ہوئے اسے پڑھا ہے اور مسلمان اساتذہ نے معلوم نہیں کس طرح اپنا عقیدہ محفوظ رکھتے ہوئے اسے پڑھایا ہے لیکن انگریزی میں ہر طرح کا مواد موجود ہونے کے باوجود اُردو میں ۱۰، ۲۰ کتب اور

☆ یہ کتاب بھی دستیاب ہے۔ نظریۂ ڈارون کی تردید، ہارون یحییٰ، ترجمہ: محمد صادق۔ ناشر: طاہر سنز پبلشرز، ۴۰-بی، اُردو بازار، لاہور۔ صفحات: ۳۶۸، قیمت: ۳۵۰ روپے۔

۵۰، ۱۰۰ مقالے بھی اس پر نہیں لکھے گئے (ڈارون کی ۲۰۰ ویں سالگرہ پر محترم خرم مرادؒ نے مسلم ورلڈ بک ریویو میں اس پر ایک قیمتی مقالہ On Evolutionism لکھا، نمبر۳، ۱۹۸۴ء)۔

شہزاد چشتی صاحب نے ایک اچھا آغاز کیا ہے جو طالب علموں کے ذہن صاف کرنے میں اکسیر ہوگا۔ اصل ضرورت یہ ہے کہ حیوانیات کی درسی کتب میں اس نظریے کو بطور ایک عقیدہ نہ پڑھایا جائے اور ساتھ ہی اس کے شواہد پر جو جائز سائنسی تنقید ہے اس کو بھی پڑھایا جائے اور سالانہ امتحان میں اس تنقید کو ہی موضوعِ سوال بنایا جائے۔ اب ہم انسان اور گھوڑے کے شجرے پڑھاتے ہیں، رینگنے والے جانوروں سے اڑنے والے پرندوں کا وجود میں آنا ثابت کرتے ہیں، بصارت جیسے کام کے لیے، آنکھ جیسے پیچیدہ عضو کا بننا محض موروثی تبدیلیوں کے ذریعے ارتقا سے ثابت کرتے ہیں اور معلوم نہیں کیا کیا لطیفے پڑھاتے ہیں۔ ہمارے منہ پر یہ 'غیر سائنسی' لیکن عقلی بات نہیں آتی کہ اللہ نے انسان کو پیدا کیا ہے۔ اس بنیادی بات سے زندگی کا پورا تصور بدل جاتا ہے۔ تہذیب بدل جاتی ہے۔ ہم تو اس پر بھی بحثیں ہی پڑھاتے ہیں کہ بے جان مادے سے جان دار وجود کیسے پیدا ہوا اور تکّے لگاتے ہیں لیکن کلاس روم میں کھڑے ہوکر یہ نہیں کہہ سکتے کہ اللہ نے زندگی پیدا کی ہے۔ افسوس تو یہ ہے کہ ہمارے دینی مدارس میں لاکھوں طلبہ پڑھتے ہیں لیکن ان کے ذمہ داروں کو بھی یہ توفیق نہ ہوئی کہ ان کے لیے سائنس کی کوئی ایسی کتاب مرتب کروائیں جس کی بنیاد الحاد پر نہ ہوتا کہ ان کے طلبہ سائنسی علوم میں ضروری شُدبُد رکھتے ہوں لیکن الحاد کی جہالت و جاہلیت سے مبرا ہوں۔ (مسلم سجاد)

روایاتِ سیرت کا تنقیدی جائزہ، محمد ناصر الدین البانی، ترجمہ و تلخیص: ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی۔ ناشر: اسلامک فاؤنڈیشن، ۱۷۸۱ اسوئی والان، دہلی، بھارت۔ صفحات: ۱۶۸۔ قیمت: ۹۵ روپے۔

سیرت پاکؐ کا مطالعہ نوعِ انسانی کے لیے روشنی کا مینار اور مسلمانوں کے لیے ایمان کی رفعتوں کا وسیلہ ہے۔ سیرت پاکؐ کا سب سے بنیادی ماخذ قرآن عظیم ہے، اور پھر احادیث مقدسہ۔ تاہم حدیث پاک کے باب میں روایات، سند اور درایت کی کسوٹی بحث و تمحیص کے در کھولتی اور قرآن و سیرت کے جملہ پہلوؤں کی وضاحت اور جزئیات کی تفصیلات فراہم کرتی ہے۔

زیرتبصرہ کتاب شیخ محمد ناصرالدین البانی (۱۹۱۴ء-۱۹۹۹ء) کی جانب سے اس نقد و جرح پر مبنی ہے، جو انھوں نے سیرت کی دو کتب: فقه السیرة از شیخ محمد الغزالی اور فقه السیرة النبویه از ڈاکٹر محمد سعید رمضان البوطی پر تحریر کی ہے۔ اس کتاب کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے مصنفین نے ایسی روایات کو بھی سیرتی کتب میں پے در پے نقل کر کے، عمومی سطح پر قارئین کے حافظے کا حصہ بنا دیا ہے، کہ جن پر ابتدائی اور وسطانی عہد کے محققین و محدثین نے واضح طور پر جرح و تعدیل کے بعد لکھا تھا کہ فلاں فلاں روایت ضعیف ہے یا موضوع!

اگرچہ زیرتبصرہ کتاب قدرے تلخ لہجے میں لکھی گئی تھی، لیکن محمد الغزالی نے شیخ البانی کی پوری تحریر کو اپنی کتاب کے ضمیمے میں اس نوٹ کے ساتھ شامل کیا: ''استاذ محدث ناصرالدین البانی نے میری نقل کردہ احادیث نبویؐ پر تعلیقات پیش کی ہیں، اور انھیں رضا کارانہ طور پر لکھ کر علمی حقیقت کو نمایاں کرنے اور تاریخی حقائق کو صحیح انداز میں پیش کرنے میں تعاون کیا ہے۔ کسی حدیث کی سندوں کی تحقیق کے بعد شیخ ناصر فرماتے ہیں کہ ''یہ ضعیف ہے''۔ حدیث میں رسوخ و مہارت کے باعث انھیں یہ رائے ظاہر کرنے کا حق ہے، لیکن میں اس حدیث کے متن کو دیکھتا ہوں، تو مجھے اس کی روایت میں کوئی حرج دکھائی نہیں دیتا، اور اسے نقل کرنے کو کچھ نقصان دہ خیال نہیں کرتا...... بیش تر علما نے ضعیف اور صحیح مرویات کے قبول و رّد میں یہی طریقہ اپنایا ہے کہ ضعیف حدیث اگر اسلام کے عام اصول اور جامع قواعد سے ہم آہنگ ہو تو وہ قابلِ قبول ہے''۔ (ص ۱۰۷-۱۰۹)

شیخ البانی کی کلاسیکی بحث نے ذخیرۂ حدیث کے مطالعے کو نیا رُخ دیا ہے جس میں انھوں نے قدیم کتب کے نظائر سے بات کی ہے، جب کہ اسی زمانے میں مولانا امین احسن اصلاحی مرحوم نے سند اور روایت سے بڑھ کر خود متن حدیث، الفاظ اور استدلال کو قرآن و سنت اور عقل و نقل کی بنیاد پر دیکھنے کی کوشش کی ہے۔ درایت حدیث کے اس باب میں شیخ البانی کا طریق کار زیادہ محتاط ہے۔

ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی نے اُس مجموعے کا طبع زاد ترجمہ کیا ہے، جس میں نہ عربی لفظیات کا بوجھ ہے اور نہ اسلوب میں بے جا پیچیدگی۔ (سلیم منصور خالد)

نام وَر مغربی سائنس دان، پہلا دور (بیکن سے نیوٹن تک)، پروفیسر حمید عسکری۔
ناشر: مجلس ترقی ادب، ۲-کلب روڈ، لاہور۔ صفحات: ۳۵۹۔ قیمت: ۱۵۰ روپے۔

عہدِ حاضر کی سائنسی ترقی کے پس منظر میں قدیم سائنس دانوں کی ایک لمبی قطار نظر آتی ہے جن کے کارناموں کی بدولت آج یہ سب کچھ ممکن ہو پایا ہے۔ مسلمانوں کے عہدِ زریں میں خصوصاً عہدِ عباسی میں مسلم سائنس دانوں نے بہت کام کیا اور اس کام کی بنیاد پر اہلِ یورپ نے تحریکِ احیاے علوم کی نیو ڈالی۔ ایک عرصے تک یورپ کے تعلیمی اداروں میں سائنس سے متعلق مسلمانوں کی کتب پڑھائی جاتی رہیں۔

مسلم اُمہ کے زوال کے بعد تیرھویں صدی میں علم کی یہ قندیلیں یورپ میں روشن ہوئیں۔ زیرتبصرہ کتاب کا آغاز بھی اسی صدی کے ایک نام ور سائنس دان راجر بیکن (۱۲۱۴ء-۱۲۹۴ء) سے ہوتا ہے۔ کوسٹر اور گوٹن برگ، کوپرنیکس، گلیلیو گلیلی، ولیم ہاروے، رابرٹ بوائل اور آئزک نیوٹن سمیت ۱۳ سائنس دانوں کی حیات و خدمات کو ۱۳ الگ الگ ابواب میں پیش کیا گیا ہے۔ ضمیمے میں مزید ۱۲ سائنس دانوں کی خدمات کا تذکرہ ہے۔ یہ تذکرہ گو مختصر ہے مگر اس طرح مصنف نے سترھویں صدی میں یورپ کے تقریباً تمام نام ور سائنس دانوں کے احوال شاملِ کتاب کردیے ہیں۔

یہ کتاب اُردو کے سائنسی ادب میں ایک قابلِ قدر اضافہ ہے۔ اس سے قبل بھی مصنف مسلم سائنس دانوں کے بارے ایک کتاب نام ور مسلم سائنس دان تحریر کرچکے ہیں۔ عموماً سائنسی مباحث خشک قسم کے ہوتے ہیں مگر مصنف نے کوشش کی ہے کہ مذکورہ کتاب کا طرزِ نگارش اور اس کی زبان ادبی معیار کے مطابق ہو اور مصنف اس میں کامیاب بھی نظر آتے ہیں۔ ان کا اسلوب دل چسپ اور عام فہم ہے۔ سائنس دانوں کے اس تذکرے میں کہیں کہیں کہانی کا سا انداز پیدا ہوگیا ہے جو تحریر کی تاثیر میں اضافے کا باعث بنتا ہے۔

سائنس دانوں کی حیات و خدمات کے ساتھ ساتھ اُن کی تصاویر بھی شامل کی گئی ہیں مگر یہ تصاویر پرانی اور غیرواضح ہیں۔ مناسب ہوتا کہ نئی اور واضح تصاویر شامل کی جاتیں۔ مجلس ترقی ادب اور مصنف دونوں اس علمی کارنامے پر بجا طور پر فخر کرسکتے ہیں۔ (ساجد صدیق نظامی)

۱-**انسان اور جادو، جنات** (جادو و جنات کا توڑ اور روحانی علاج معالجہ) ۲-**انسان اور کالے پیلے علوم** (خرابیِ عقائد کا ذریعہ بننے والے ماورائی علوم کا جائزہ و تحقیق)۔ تالیف: حافظ مبشرحسین، ناشر: مبشر اکیڈمی، لاہور- فون: ۴۶۰۲۸۷۸-۰۳۰۰۔ ملنے کا پتا: مکتبہ قدوسیہ/ کتاب سرائے، اُردو بازار، لاہور۔صفحات علی الترتیب:۲۲۲، ۲۲۸۔ قیمت: درج نہیں۔

پہلی کتاب میں فاضل مؤلف نے جادو اور جنات کے بارے میں قرآن وسنت کی روشنی میں اسلام کا موقف واضح کیا ہے۔ انھوں نے متعدد اعتقادی گمراہیوں کی نشان دہی کے ساتھ جنات اور جادو کے توڑ کے لیے مسنون علاج بھی تجویز کیے ہیں۔ مؤلف کے عملی تجربات اور مشاہدات بھی کتاب میں شامل ہیں۔ روحانی علاج سے متعلقہ چند اصولی مسائل، نظرِبد کا علاج اور متعدد جسمانی بیماریوں کے روحانی علاج بھی کتاب کا حصہ ہیں۔

دوسری کتاب میں قرآن وسنت کی روشنی میں دست شناسی، علم جفر، علم عدد، علم اسرار الحروف، علمِ نجوم، علمِ رمل، ریکی، یوگا، ٹیلی پیتھی، ہپناٹزم اور مسمریزم کی حقیقت اور پوزیشن واضح کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ بدشگونی، نحوست اور فالناموں کا جائزہ بھی لیا گیا ہے اور اس سلسلے میں صحیح اسلامی موقف پیش کیا گیا ہے۔ مراقبوں اور چلّہ کشی کی شرعی حیثیت، خوابوں سے متعلقہ مسائل قرآن و حدیث کی روشنی میں، اور قیافہ شناسی کی شرعی حیثیت بھی کتاب کا حصہ ہیں۔ اسی طرح الہام، وسوسہ، کشف اور فراست میں فرق کو واضح کرتے ہوئے، اسلام میں ان کی حیثیت بھی بیان کردی گئی ہے۔ کتاب کے آغاز میں وحیِ الٰہی اور وحیِ شیطانی، اور کہانت وعرافت پر بھی عمدہ مباحث بطور تمہید شامل ہیں۔ (خالد محمود)

تعارف کتب

◉ **جواہر البیان فی تفہیم القرآن** (تلخیص مضامینِ قرآن) مؤلف: محمد سرور ارشد۔ نظرثانی: مولانا محمد وسیم میواتی۔ ناشر: الجنت پرنٹنگ پریس، ایم اے جناح روڈ، کراچی- ۲۷۴۱۲۳۷-۰۲۱۔ صفحات: ۴۹۱۔ قیمت: درج نہیں۔[یہ کاوش معروف معنوں میں نہ تو قرآن کا مکمل باقاعدہ ترجمہ ہے اور نہ تفسیر ہے بلکہ مناہیمِ قرآن کا مختصر بیان ہے۔ ان لوگوں کے لیے ہے جو عربی سے نابلد ہیں اور قرآن پاک کے معانی اور مفاہیم کو سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ ہرسورہ کا مختصر خلاصہ اور وجۂ تسمیہ، سورہ سے متعلق احادیث میں وارد فضائل، ہرسورہ کی منتخب آیات کا عام فہم مفہوم اور مختصر تشریح اور آخر میں اہم نکات۔]

◎ **ماہنامہ رُشد** لاہور (حُرمتِ رسولؐ نمبر)، مدیر: حافظ انس نصر مدنی۔ رابطہ دفتر: ۹۹-جے، ماڈل ٹاؤن، لاہور۔ صفحات: ۲۲۴۔ قیمت (خصوصی اشاعت): ۳۰ روپے۔[تحفظ ناموسِ رسالتؐ پر یہ اشاعتِ خاص کئی حوالوں سے منفرد ہے۔ تحفظِ ناموسِ رسالتؐ کا علمی جائزہ، توہین آمیز خاکوں کی نوعیت، توہینِ رسالتؐ کے بارے میں استفسارات، مغرب کے نقطۂ نظر کا جائزہ، اُمت مسلمہ کی ذمہ داریاں اور مسلمانوں میں اہانتِ رسولؐ کے مختلف پہلو زیر بحث آئے ہیں۔ توہین آمیز خاکوں کی اشاعت (ستمبر ۲۰۰۵ء- مارچ ۲۰۰۸ء) پر ردعمل کی تاریخ وار مختصر روداد کے ساتھ ساتھ آخر میں ۱۹۷۳ء سے تا حال توہینِ رسالتؐ کے موضوع پر رسائل میں شائع شدہ مضامین کا اشاریہ بھی شاملِ اشاعت ہے۔]

◎ **مکاتیب الکریم**، مولانا عبدالقیوم حقانی۔ ناشر: القاسم اکیڈمی، جامعہ ابوہریرہ، خالق آباد، نوشہرہ۔ صفحات: ۳۱۱۔ قیمت: درج نہیں۔[القاسم نے گیارھویں خصوصی اشاعت میں قاضی عبدالکریم صاحب کے تقریباً ۳سو خطوط بنام حقانی شائع کیے ہیں۔ یہ خطوط کیا ہیں: اکابرین دیوبند کے مشاہدات و تجربات کا نچوڑ، احسان و سلوک کا عطر، علم و ادب، امثال و اشعار اور لطائف وظرائف کا مرقع، فقہ اور فتاویٰ کی نادر مثالیں، حکومت و سیاست اور فرقِ باطلہ کا بھرپور تعاقب، اخلاص وللّٰہیت اور روحانی معمولات۔]

◎ **ڈاکٹر انعام الحق کوثر: حیات و خدمات**، مرتبہ: ڈاکٹر محمد احتشام الحق۔ ناشر: ادارہ تحقیق وتصنیف بلوچستان، ۲-۲۷۲-اے، بلاک او-III، سیٹلائٹ ٹاؤن، کوئٹہ۔ صفحات: ۲۶۲۔ قیمت: ۳۰۰ روپے۔[اُردو اور فارسی زبان و ادب کے نام وَر محقق، مصنف اور معلم ڈاکٹر کوثر عرصۂ دراز سے بلوچستان کی سنگلاخ سرزمین میں ایک عزمِ صمیم کے ساتھ مصروفِ عمل ہیں۔ بعمر ۷۷ سال بایں پیرانہ سالی، اُن کی ہمت قابلِ داد ہے۔ اُن کی خدماتِ علمی و ادبی کے اعتراف میں اُن کے دوستوں، قدردانوں، رفقاے کار اور شاگردوں کے مضامین کا یہ مجموعہ قدرافزائی کی قابلِ ستایش کوشش ہے جس سے ان کی طویل جدوجہد کا کچھ اندازہ ہوتا ہے۔]

◎ **اسلامی طرزِ معاشرت**، تالیف: محمد بن جمیل زینو، ترجمہ: خبیب احمد سلیم۔ ناشر: حدیبیہ پبلی کیشنز، رحمٰن مارکیٹ، اُردو بازار، لاہور۔ فون: ۷۲۴۲۶۰۴۔ صفحات: ۳۰۴۔ قیمت (مجلد): ۱۴۰ روپے۔[اپنے موضوع پر ایک مفید کتاب جس میں صرف عبادات، یعنی نماز، روزے، حج کا ذکر نہیں ہے بلکہ بچوں کی تعلیم و تربیت، اخلاق و عادات، اسلامی معاشرت اور عورت کا مقام جدید دور کے پس منظر میں زیر بحث آئے ہیں۔ مشہور بدعات کا تذکرہ ہے۔ موسیقی اور تمباکونوشی پر بھی بحث ہے۔ جہاد کے موضوع پر جدید مباحث ہیں۔ تقلید کے حوالے سے ائمہ اربعہ کا نقطۂ نظر دیا گیا ہے۔ آخر میں دعاؤں کا عمدہ انتخاب ہے۔]

◎ **حدیث کہانی**، نگہت سیما۔ ناشر: المجاہد پبلشرز، چوتھی منزل، دین پلازا، جی ٹی روڈ، گوجرانوالہ۔ فون: ۰۵۵-۳۸۲۰۴۱۷۷۔ صفحات: ۸۰۔ قیمت: ۴۰ روپے۔[کتاب میں فرموداتِ رسولؐ اور اسلام کی اخلاقی تعلیمات سے آگہی دی گئی ہے۔ اسلوبِ بیان ایسا عمدہ اور دل چسپ کہ بچہ کہانی پڑھتا چلا جائے اور حدیث کا مفہوم ذہن پر نقش ہوجائے۔ زیادہ مؤثر ہوگا کہ کہانی کے آغاز میں حدیث دینے کے بجاے آخر میں دی جائے۔ بچوں کی احادیث سے آگہی کے لیے مفید کاوش۔]

مدیر کے نام

احمد علی محمودی ' حاصل پور

'پاکستان اور دہشت گردی کے خلاف امریکا کی جنگ' (نومبر ۲۰۰۸ء) میں قومی و ملّی اُمنگوں کے برعکس فردِ واحد کی غلط اور ناکام پالیسی، اس کے مضمرات اور نئی آزاد خارجہ پالیسی کے حوالے سے مدلل تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔ 'دہشت گردی' کے خلاف جاری یہ جنگ ہماری نہیں، بلکہ یہ ایک گھناؤنا سامراجی کھیل ہے جس نے ہمیں دلدل میں پھنسا دیا ہے۔ اس جنگ سے ہم نے ۱۰ ارب ڈالر حاصل کیے، جب کہ ۵ء۳۴ ارب ڈالر کا نقصان کیا۔ غیروں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اپنے ہی ملک کے عوام کے خلاف لشکرکشی کرنا کہاں کی دانش مندی ہے؟

آئی اے فاروق 'لاہور

'عالمی غذائی بحران اور پاکستانی زراعت' (نومبر ۲۰۰۸ء) ایک اچھی تحریر ہے۔ ملکی زراعت کی بہتری کے لیے جو مفید تجاویز پیش کی گئی ہیں، حکومت بھی ان سے باخبر ہے لیکن اصل رکاوٹ وسائل کی کمی اور ہاری اور کسان کو سودی نظام کی وجہ سے عملاً مشکلات کا درپیش ہونا ہے۔ اسی وجہ سے پبلک اور پرائیویٹ سیکٹر اس میں کوئی کردار ادا نہیں کرسکتا۔ موجودہ نظام میں بلیک اکانومی کو بھی تحفظ حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم وسائل کی کمی سے دوچار ہیں اور سودی نظام کے نفاذ کی وجہ سے خدا کی رحمت سے بھی دُور ہیں۔ خود مضمون نگار نے بھی اپنی تجاویز ۱۲ اور ۱۳ میں اس طرف اشارہ کیا ہے۔ ان تجاویز پر عمل درآمد صرف اسی صورت میں ہوسکتا ہے کہ ہمارے ہاں سود سے پاک زرعی نظام نافذ کیا جائے۔ اس کے لیے عملی خاکہ موجود ہے۔ ضرورت صرف عمل درآمد اور سرپرستی کی ہے۔

عبداللّٰہ 'لاہور

'قرآن اور یہ کائنات' (نومبر ۲۰۰۸ء) اپنے موضوع پر ایک مفید اور ایمان افروز تحریر ہے جو غوروفکر کی دعوت دیتی ہے۔ البتہ فطرت کو اللہ کہنا مناسب نہیں۔ یہ تو نیچری نقطۂ نظر کی تائید ہے۔ آخر میں مختلف اعداد و شمار اور آیات کی تعداد اور تناسب کے حوالے سے کائنات کے بعض حیران کن اتفاقات کا ذکر بھی کیا گیا ہے اور اس طرح قرآن کی حقانیت کو ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس طرح کے حسابی ثبوت تلاش کرنا مناسب نہیں۔ قرآن کو اس سے بالا ہی رکھیں۔

محمد آصف عباسی ، دھیر کوٹ، آزاد کشمیر

مولانا مودودیؒ کی تحریر 'رسموں کی بیڑیاں' (اکتوبر ۲۰۰۸ء) پڑھ کر ایک عجیب تاثر اور تحرک پیدا ہوا۔ مولانا نے فرمایا ہے کہ ان رواجوں کے بوجھوں سے لوگوں کی کمریں ٹوٹ رہی ہیں مگر پیش قدمی نہیں کر سکتے۔ یہ پہل اور پیش قدمی کرنا اور سادگی کو رواج دینا تحریک کے وابستگان خصوصاً قائدین کا فرض ہے۔

حکیم محمد عبد السمیع ، کراچی

'فہم دین کا مسئلہ' (اکتوبر ۲۰۰۸ء) نظر سے گزرا۔ تحریر سے یہ تاثر ملتا ہے کہ دین کے نام پر انتہاپسندی اور تشدد کے جو بھی واقعات سامنے آرہے ہیں ان کے پیچھے طالبان کا ہاتھ ہے۔ 'دہشت گردی' کا کوئی واقعہ پیش آجائے، لڑکیوں کے اسکول جلا دیے جائیں تو ہمارے چینل اور ملکی و بین الاقوامی این جی اوز، سب اس کا الزام طالبان پر دھرتے ہیں۔ یہ پہلو نہیں دیکھا جاتا کہ اسلام کو بدنام کرنے کے لیے طالبان کے روپ میں امریکی، اسرائیلی یا بھارتی ایجنٹ یہ کام دکھا رہے ہیں؟ ہمارے حکمران بھی بلاسوچے سمجھے، یا قصداً امریکا کی 'دہشت گردی' کی اس جنگ کو جو دراصل اسلام کے خلاف صلیبی جنگ ہے اپنی جنگ قرار دے رہے ہیں اور پاکستان فرنٹ لائن اتحادی بن کر ہر طرح سے تعاون کر رہا ہے۔ پاکستان کی خودمختاری روز پامال ہو رہی ہے۔ مگر ہماری سرکار اپنے مضحکہ خیز اعلانات میں شرم محسوس نہیں کرتی۔

قاضی گروپ آف کمپنیز

تعارف:۔

قاضی گروپ آف کمپنیز کی تاریخ گذشتہ بیس برسوں پر محیط ہے۔ گروپ کے چیئرمین **شوکت محمود قاضی** نے سال 1988 میں پراپرٹی اور رئیل اسٹیٹ کے شعبہ میں قاضی انٹر پرائزز کے نام سے کاروبار کا آغاز کیا۔ شبانہ روز کی انتھک محنت جہد مسلسل مستقل مزاجی، دیانتداری وجذبہ اخلاص کے نتیجہ اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے کاروباری دنیا میں اب یہ ایک مستحکم اور قابل اعتماد ادارہ کے طور پر پہچانا جاتا ہے۔ قاضی انٹرپرائزز کو الحمدللہ اب تک کئی رہائشی منصوبے مکمل کرنے کا اعزاز حاصل ہے۔ جہاں ممبران رہائش پذیر ہیں یا اپنے مکان/فلیٹ فروخت کر کے کئی گنا منافع کما چکے ہیں۔ قاضی انٹرپرائزز کے مکمل اور آباد ہونے والے منصوبہ جات میں **الرحمٰن ٹاؤن، پاسبان ٹاؤن، گلستان راشد اور فیملی اپارٹمنٹس مری** ہیں۔ جبکہ زیر تعمیر منصوبوں میں **کوہسار سٹی مری موٹروے سٹی، شفاء گارڈن اسلام آباد، قطبال ٹاؤن اسلام آباد، حمیدہ ٹیرس** اور **اسلام آباد ہل گارڈن** شامل ہیں۔ **قاضی گروپ آف کمپنیز** کے تحت دیگر اداروں میں **قاضی کنسٹرکشن کمپنی، ایچ ایس ٹریڈنگ پرائیویٹ لمیٹڈ، قاضی ہاؤسنگ پرائیویٹ لمیٹڈ پندرہ روزہ تجارتی مجلہ مستقبل** اور **فلاحی ادارہ حق ٹرسٹ** شامل ہیں۔

حق ٹرسٹ

حق ٹرسٹ کے تحت مستحقین کی فلاح وبہبود، یتیم بچیوں کی شادی، غریب طلبا کی تعلیم، دینی مدارس کی خدمات، غریب مریضوں کے علاج، چھوٹے کاروبار شروع کرنے کے لیے بلا سود قرض وغیرہ فراہم کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ ملک میں کسی بھی قسم کے ہنگامی حالات مثلاً زلزلہ اور سیلاب وغیرہ میں متاثرین کی امداد وغیرہ بھی کی جاتی ہے۔

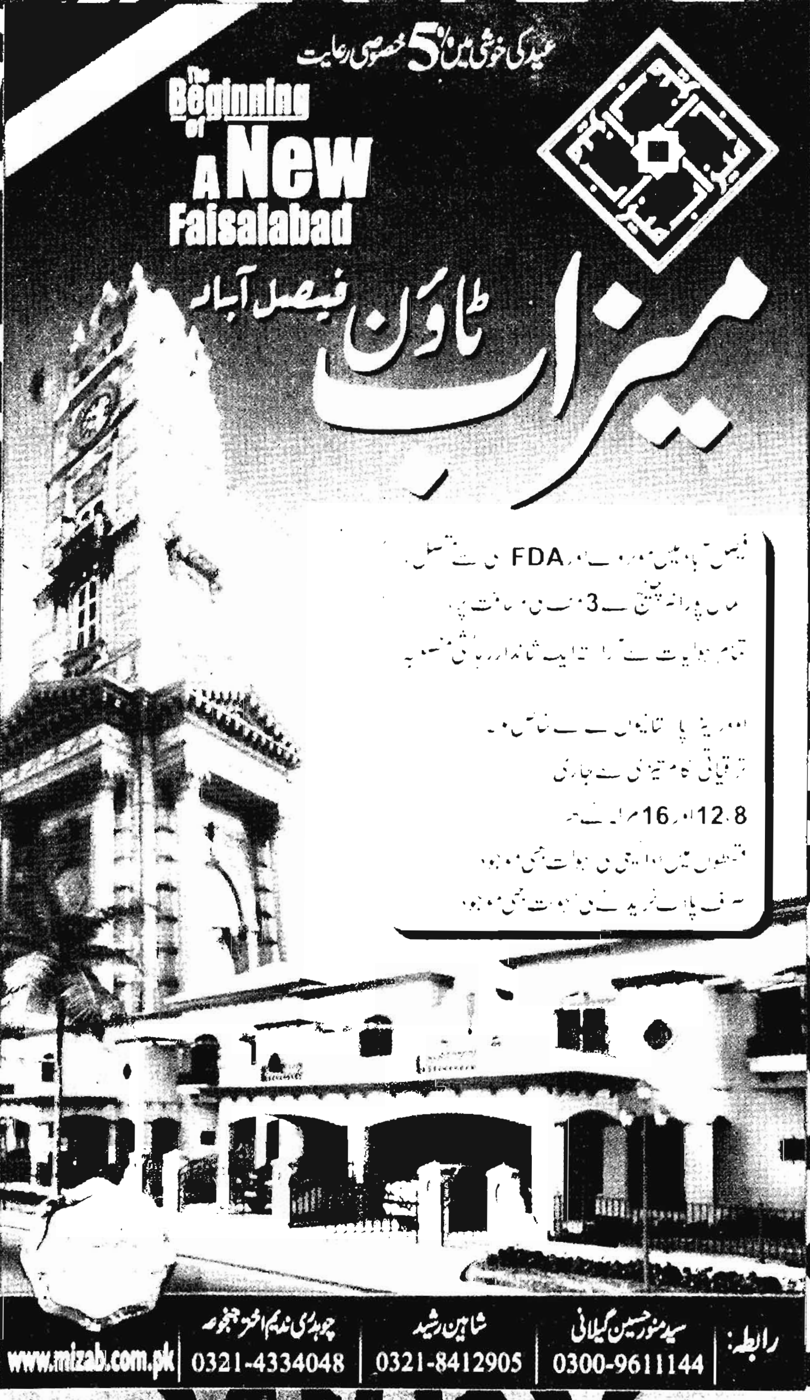
پندرہ روزہ مستقبل میگزین:

یہ معاشی اور کاروباری نوعیت کا ایک منفرد میگزین ہے جو پاکستانی نوجوانوں کو پاکستان میں رہ کر کم سرمایہ سے اپنا ذاتی کاروبار شروع کرنے کی حوصلہ افزائی کرتا ہے اور ملک کی معاشی اور تجارتی صورتحال سے قارئین کو باخبر رکھتا ہے۔

ایچ ایس ٹریڈنگ پرائیویٹ لمیٹڈ:

یہ ادارہ موٹر سائیکل اور ہر قسم کے الیکٹرانکس کے سامان کی فروخت نقد اور آسان اقساط پر کرتا ہے۔ اس شعبہ میں جو مختلف ذیلی ادارے اور برانچیں کام کر رہی ہیں ان میں ایچ ایس ٹریڈرز راولپنڈی و اسلام آباد، HS ٹریڈرز میانوالی، HS ٹریڈرز دولتالہ، فرینڈز الیکٹرانکس چکوال، قاضی مارکیٹنگ مظفر آباد شامل ہیں۔

حسین فاروق مودودی نے ملک عید محمد پرنٹرز سے چھپوا کر ۵-اے ذیلدار پارک اچھرہ لاہور سے شائع کیا



عید کی خوشی میں 5% خصوصی رعایت
The Beginning of A New Faisalabad
میزاب ٹاؤن فیصل آباد
رابطہ:
سید منور حسین گیلانی 0300-9611144
شاہین رشید 0321-8412905
چوہدری ندیم اختر جنجوعہ 0321-4334048
www.mizab.com.pk

قرطبہ سٹی

امن اور علم کی بستی اکیسویں صدی کا محورِ تعلیم و تحقیق

Madina Tul Ilm



محلِ وقوع و آب و ہوا:

قرطبہ سٹی کے لئے جگہ کا انتخاب چکری انٹرچینج ،موٹروے (M2) کے ساتھ کیا گیا ہے۔ یہ جگہ اسلام آباد، راولپنڈی سے 30 منٹ کی ڈرائیو (50 کلومیٹر تقریباً) پر تحصیل راولپنڈی میں واقع ہے۔ کوہِ خیری مُورت کے دامن میں واقع یہ علاقہ قدرتی مناظر سے مالا مال ہے۔ اس کا موسم اور نشیب و فراز اسلام آباد سے ملتے جلتے ہیں۔ اس کے درمیان سے دریائے سل بل کھاتا ہوا گزرتا ہے جس میں قدرتی چشموں کی وجہ سے سارا سال پانی کا بہاؤ رہتا ہے۔

شہری سہولیات و خصوصیات:

- تمام سہولیات جو ایک جدید شہر میں ہوتی ہیں
- شجرکاری اور اس کی مستقل دیکھ بھال گھروں کے معیاری نقشہ جات کی فراہمی۔
- قرطبہ سٹی کا اندرونی ٹرانسپورٹ کا نظام
- قرطبہ سٹی سے اسلام آباد، راولپنڈی تک ٹرانسپورٹ کی سہولت
- منصوبے کو آبادکاری کے دوران مالی لحاظ سے خود کفیل رکھنے کا نظام۔
- اسلامی معاشرتی اقدار کے فروغ کے لئے شہری زندگی اور ہمسائیگی کے خصوصی بائی لاز
- تمام شہری سہولیات کی فراہمی اور مستقل دیکھ بھال کا نظام۔

منصوبے کی خصوصیات:



- قرطبہ سٹی کے وسط میں وسیع و عریض بین الاقوامی قرطبہ یونیورسٹی کا قیام و انصرام۔ یہ یونیورسٹی جدید سائنسی اور معاشرتی علوم پر تحقیق اور اُن کو اسلامی قدروں میں ڈھالنے کا محور ہوگی۔
- ایک عظیم الشان مرکزی جامع مسجد قرطبہ کا قیام و انصرام۔ یہ جامع مسجد یونیورسٹی سے ملحقہ ہوگی اور یونیورسٹی کے مقاصد کے حصول میں کلیدی کردار کی حامل ہوگی۔
- خواتین کے لئے خصوصی کاروباری مراکز و تفریحی مقامات۔

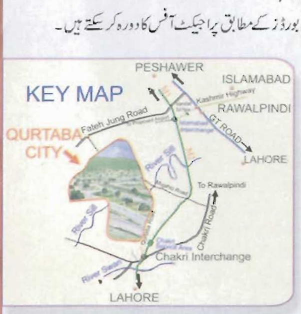
ترقیاتی کاموں کی صورتِ حال اور ماسٹر پلان:

اس عظیم الشان منصوبے کے لیے 4 سے زائد ملحقہ موضع جات میں زمین کی خرید کی جاچکی ہے۔ ان میں سے ایک موضع کی زمین کو یکجا کیا جا چکا ہے (الحمدُ اللہ)۔ اور بقیہ موضع جات میں یکجا کرنے کا عمل جاری ہے۔ منصوبے کے حجم کے پیش نظر اس کی منصوبہ بندی اور تکنیکی کام مُلک کے مشہور اور مایہ ناز تکنیکی منصوبہ ساز اور کنسلٹنٹ میسرز نیسپاک (نیشنل انجینئرنگ سروسز پاکستان) کو سونپا گیا ہے۔ نیسپاک نے ایک جامع شہری منصوبہ پیش کردیا ہے۔ اور یکجا ہونے والے وسیع رقبہ کی منصوبہ بندی مکمل کردی ہے۔ انجینئرز کا تیار کردہ ماسٹر پلان TMA کے پاس منظوری کے لئے جمع کروادیا گیا ہے۔ اور تکنیکی مرحلوں سے گزر کر اب یہ ماسٹر پلان منظوری کے آخری مرحلہ میں ہے۔



پراجیکٹ آفس اور سائیٹ کا مشاہدہ:

عظیم الشان منصوبے کی ضرورت کے مطابق تمام جدید سہولیات سے مزین پراجیکٹ آفس کی تعمیر مکمل ہوچکی ہے۔ اور جلد ہی انجینئرز اس آفس میں تعمیراتی کاموں کی نگرانی کا آغاز کردیں گے۔ آپ سائیٹ کے مشاہدہ کے لیے چکری انٹرچینج موٹروے (M2) سے نکل کر اشارتی بورڈز کے مطابق پراجیکٹ آفس کا دورہ کرسکتے ہیں۔



پلاٹ بکنگ:

- ٹاؤن پلاننگ کی منظوری کے ساتھ ہی مزید پلاٹ بکنگ کے لئے پیش کردیے جائیں گے۔
اور ساتھ ہی الاٹمنٹ کا طریقہ کار اور نئی قیمتوں کا تعین بھی کردیا جائے گا۔

موجودہ پلاٹ ہولڈرز متوجہ ہوں:

- قرطبہ سٹی کے دفتر سے رابطہ کرکے اپنا ڈاک کا پتہ درست کروائیں تاکہ ڈاک کی ترسیل یقینی بنائی جاسکے۔ ایڈریس تبدیل کرنے کے لئے فارم دفتر سے حاصل کریں۔ اقساط پر بکنگ کروانے والے حضرات فوری طور پر اپنی بقایا اقساط جدول کے مطابق ادا کردیں۔ بقایا جات جاننے کے لئے دفتر سے رابطہ قائم کریں۔ خواتین و حضرات اپنی رائے اور تجاویز سے مدینۃ العلم کے پتہ پر یا Email کے ذریعہ آگاہ کریں۔

مدینة العلم

فلیٹ نمبر 4، فسٹ فلور، خیبر پلازہ، فضل حق روڈ، بلیو ایریا، اسلام آباد

فون: 92-51-2206380 فیکس: 92-51-2270411

info@qurtabacity.com

Rev. 4.0

L.R.L 99 Monthly TARJUMAN-UL-QURAN LAHORE. Ph: 7587916 Fax: 7585590